بارہ مہینوں کی بارہ تقریریں

محرم
صفر
ربیع الاول
ربیع الثانی
جمادی الاول
جمادی الثانی

رجب
شعبان
رمضان
شوال
ذیقعدہ
ذی الحج

مرتب

حضرت مولانا غلام نبی صاحب کشمیری
استاذ دار العلوم وقف دیوبند

زمزم بکڈپو دیوبند

بارہ مہینوں کی بارہ تقریریں

مرتب

حضرت مولانا غلام نبی صاحب کشمیری
استاذ دارالعلوم دیوبند

ناشر
زمزم بک ڈپو دیوبند

تفصیلات

نام کتاب.......... بارہ مہینوں کی بارہ تقریریں

مؤلف.......... حضرت مولانا غلام نبی صاحب کشمیری

باہتمام.......... محمد اسعد واجدی

کمپیوز کتابت... (محمد عیاض قاسمی) لکھنو گراف کمپیوٹنگ سسٹم فون 22031

طباعت..............................

صفحات.............................. ۱۶۸

سن اشاعت.......... مئی ۲۰۰۱ء

ناشر

زمزم بک ڈپو

M.R.P = 60

فہرست عنوانات

قریظ

حضرت مولانا خضر محمد صاحب مدظلہ استاذ دار العلوم دیوبند

الحمد لولیہ والصلوٰۃ لاھلھا

ہر انسان میں خدا تعالیٰ نے الگ الگ صلاحیتیں رکھی ہیں ایک شخص بہترین
ح اور کشور کشا ہے مگر شعر و شاعری کی ابجد سے بھی واقف نہیں، ایک شخص قادر الکلام
عر، بے نظیر ادیب اور بے مثال انشاء پرداز مگر فن سپہ گری سے قطعی طور پر کورا، ایک
ترین مدرس ہے تو دوسرا اونچے درجہ کا قلمکار، ایک ریاضی میں ید طولیٰ رکھتا ہے تو دوسرا
ترین تاریخ داں۔

الغرض سب کی صلاحیتیں جداگانہ اور ہر ایک کا مذاق الگ، کون نہیں جانتا
تقریر و تحریر، ابلاغ و اظہار کے دو موثر ترین ذریعے ہیں جس کو یہ دو نعمتیں ایک
تھ مل گئیں اس کے ایک عظیم دولت ہاتھ آگئی، زیر نظر تقریری مجموعہ، اور محترم مولانا
م نبی صاحب کشمیری استاذ حدیث دار العلوم (وقف) دیوبند کے گوہر بار علم سے نکلا
، بحمد اللہ مولانا موصوف تحریر و تقریر اور تدریس تینوں میدانوں کے شہسوار ہیں، اور
ہ میں نہایت مقبول اور مشہور بھی ہیں، متعدد کتابیں موصوف کی اس سے پہلے بھی
ر عام پر آئی ہیں اور طلباء اور اہل علم کے درمیان قبولیت عامہ کی سند حاصل کر چکی
، خدا کرے کہ یہ تقریری مجموعہ بھی نافع اور مفید ثابت ہو، اور حضرت مولانا کو حق
ل شانہ زیادہ سے زیادہ خدمت دین کی توفیق نصیب فرمائے، آمین۔

خضر محمد کشمیری عفی عنہ
خادم تدریس دار العلوم دیوبند

پیش لفظ

الحمد لولیہ والصلوٰۃ لاھلھا

امابعد!

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا (توبہ ۳۶)

"بے شک مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں"، احادیث وآثار سے ان مہینوں کی فضیلت وعظمت کا ثبوت ملتا ہے، گو بعض مہینوں کو شریعت کے کچھ اہم احکام ومسائل اور اسلامی تاریخ کے لحاظ سے بعض پر فوقیت ہے، تاہم ہر مہینہ میں کوئی نہ کوئی اہم واقعہ رونما ہوا ہے جس کا اسلامی تاریخ سے ایک گہرا ربط ہے، دیگر مذاہب میں ایام وشہور کو جو اہمیت حاصل رہی ہے اور حاصل ہے اس کا تعلق رسوم ورواج سے زیادہ ہے مذہب سے کم، مگر شریعت اسلامیہ میں ایام وشہور کی ایک مذہبی حیثیت بھی ہے جس کا ذکر قرآن وحدیث میں واضح طور پر ملتا ہے اس لئے ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے یہ جاننا ضروری ہو جاتا ہے کہ کس مہینے میں کونسا اسلامی واقعہ پیش آیا مثلاً نبی کریم ﷺ کی ولادت، ہجرت، نکاح، آغاز وحی، شب معراج، نماز کی فرضیت، شب برأت، نزول قرآن، فرضیت صیام، غزوات، فتح مکہ، حجۃ الوداع، ام المومنین حضرت عائشہؓ کی پیدائش، نکاح، رخصتی، جہاد، قربانی، حج، شہادت حسینؓ وغیرہ جیسے اہم واقعات کی تاریخی حیثیت کا جاننا ضروری ہے۔

زیر نظر تقریری مجموعہ "بارہ مہینوں کی بارہ تقریریں" میں یہ سب چیزیں آپ کو باترتیب مل جائیں گی، اس مجموعہ کی دیگر تقریری مجموعوں کے مقابلہ میں اپنی ایک انفرادیت ہے جس کو قارئین خود محسوس کریں گے اور ان شاء اللہ محظوظ ہوں گے، اللہ تعالیٰ اس طالبعلمانہ کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرما کر قارئین کیلئے اس مجموعہ کو نفع بخش اور مرتب کیلئے ذخیرہ نجات بنائے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ

غلام نبی کشمیری

خادم تدریس دار العلوم (وقف) دیوبند

مُحَرَّمْ کی فضیلت

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین امابعد! فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم وَلَاتَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ

محترم حضرات!

محرم، رجب، ذی قعدہ اور ذی الحجہ یہ چاروں عظمت اور حرمت والے مہینے ہیں، زمانہ جہالت میں بھی ان مہینوں کو محترم سمجھا جاتا تھا، اور ان میں جنگ اور قتال کو حرام جانتے تھے ظہور اسلام کے بعد ان چار مہینوں کی عظمت وحرمت اور فضیلت اور بڑھ گئی، چنانچہ ارشاد ربانی ہے فَلَا تَظْلِمُوْا فِیْهِنَّ اَنْفُسَکُمْ کہ ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو، پھر ان چار مہینوں میں سے محرم الحرام کو خصوصی فضیلت واہمیت حاصل ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اَفْضَلُ الصِّیَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَهْرُ اللّٰہِ الْمُحَرَّمْ رمضان کے بعد سب مہینوں سے افضل محرم الحرام کے روزے ہیں، ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا مَنْ صَامَ یَوْمًا مِّنَ الْمُحَرَّمِ فَلَهٗ بِکُلِّ یَوْمٍ ثَلَاثُوْنَ یَوْمًا یعنی ایام محرم میں سے ایک یوم کا روزہ دوسرے مہینوں کے تیس ایام کے برابر ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت سے پہلے عاشورہ کا روزہ نبی کریم ﷺ پر فرض تھا، لیکن رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت کے بعد ایک قوم کی توبہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور دوسری قوم کی توبہ قبول فرمائے گا"

اس ماہ کے اہم واقعات

محترم سامعین! حضرت آدم علیہ السلام نے بھول کر شجر ممنوعہ کا پھل کھایا اور جب

اپنی خطا پر متنبہ ہوا تو کئی برس تک یہ دعا مانگتے رہے رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ اے پروردگار ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا تو نے اگر ہم کو معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو یقیناً ہم خسارے میں رہ جائیں گے، چنانچہ قرآن کریم میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے حضرت آدم ؑ کی توبہ قبول فرمائی، فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ جس دن آدم ؑ کی توبہ قبول ہوئی وہ عاشورہ کا ہی دن تھا۔

حضرت ادریس ؑ کو اسی دن آسمانوں پر اٹھایا گیا، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا اے پیغمبر کتاب میں ادریس کا تذکرہ پڑھو وہ سچے نبی تھے، ہم نے ان کو بہت اونچے مقام پر اٹھایا۔

حضرت نوح ؑ کی کشتی عاشورہ ہی کے دن جودی پہاڑ پر ٹھہری۔

حضرت ابراہیم ؑ عاشورہ ہی کے دن پیدا ہوئے اسی روز انہیں تاج نبوت پہنایا گیا اسی دن حضرت ابراہیم ؑ نے نمرود کے بتوں کو توڑا، اور اس کی سزا میں آپ کو جس دن آگ میں ڈالا گیا، وہ بھی عاشورہ ہی کا دن تھا اور عاشورہ ہی کی برکت سے نار نمرود حضرت ابراہیم ؑ کے لئے گلزار بن گئی۔

یونس کو عاشورہ ہی کے دن حق تعالیٰ نے اپنی رحمت بیکراں سے مچھلی کے پیٹ سے رہائی دی۔

حضرت یعقوب ؑ یوسف ؑ کے فراق میں روتے روتے بینائی کھو بیٹھے تھے، عاشورہ ہی کا دن تھا کہ جب یعقوب ؑ کی بینائی لوٹ کر آئی، ایک روایت ہے کہ حضرت یعقوب اور آپ کے بیٹے حضرت یوسف ؑ کی طویل جدائی کے بعد عاشورہ ہی کے دن ملاقات ہوئی۔

عاشورہ ہی کے دن حضرت موسیٰ ؑ کو عزت و سربلندی نصیب ہوئی اور اسی دن فرعون کی شہنشاہیت اور فرعونیت دریائے نیل میں خس و خاشاک کی طرح بہہ گئی،

جب یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھانے کا ارادہ کیا حق تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر زندہ اٹھالیا یہ دن بھی عاشورہ ہی کا تھا۔

مشہور حدیث ہے کہ عاشورہ ہی کے دن حضرت داؤد علیہ السلام کی دعائے صحت قبول ہوئی۔

جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت ہاتھ سے نکل گئی تو آپ نے بارگاہ خداوندی میں عجز و انکساری کے ساتھ دعا فرمائی چنانچہ عاشورہ ہی کے دن اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کی دعا کو قبول فرمایا اور دوبارہ سلطنت عطا ہوئی۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم مبارک پر جب آبلے پڑ گئے تو انہوں نے شدید درد اور تکلیف کے باوجود صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا، چنانچہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی رَبِّ اِنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ اے میرے رب مجھے بیماری نے گھیر لیا ہے اور تو ہی سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی یہ دعا قبول ہوئی اور مرض سے شفا نصیب ہوئی یہ بھی عاشورہ ہی کا دن تھا۔

کچھ تاریخی واقعات

بیت اللہ پر حملہ کرنے والے سرکش بادشاہ ابرہہ کا عبرتناک انجام اسی ماہ میں ہوا

کعبۃ اللہ پر سب سے پہلا غلاف اسی ماہ میں چڑھایا گیا۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ اہل مکہ محرم ہی میں کعبۃ اللہ پر غلاف چڑھایا کرتے تھے۔

خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت اسی ماہ میں ہوئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اسی ماہ میں خلافت کے منصب پر فائز کیا گیا

حضرت امیر معاویہؓ اسی ماہ میں امیر بنے۔

مہاجرین حبشہ اسی ماہ میں واپس لوٹے۔

مسلمانوں نے بے شمار ملکوں کو اسی ماہ میں فتح کیا۔

غزوہ خیبر کی کامیابی و کامرانی اسی ماہ میں حاصل ہوئی۔

مصر پر عباسیوں کا قبضہ اسی ماہ میں ہوا۔

قیصر روم کو ذلت آمیز شکست اسی ماہ میں ہوئی۔

مسجد نبوی کی توسیع اسی ماہ میں ہوگی۔

شعب ابی طالب میں نبی کریم ﷺ کی محصوری کا آغاز اسی ماہ میں ہوا۔

نبی کریم ﷺ کا نکاح حضرت صفیہؓ سے اسی ماہ میں ہوا۔

حضرت علیؓ و حضرت فاطمہؓ کا نکاح اسی ماہ میں ہوا۔

حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت ام کلثومؓ کا نکاح اسی ماہ میں ہوا۔

عاملین زکوٰۃ کا تقرر با ضابطہ اسی ماہ میں عمل میں آیا۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور ام المومنین جویریہؓ کا انتقال بھی اسی ماہ میں ہوا۔

میزبان رسولؐ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی وفات اسی ماہ میں ہوئی۔

دمشق پر فاطمیوں کا قبضہ اسی ماہ میں ہوا۔

دنیا کی سب سے بڑی رصد گاہ بغداد کے اندر اسی ماہ میں تعمیر ہوئی۔

ایک بد بخت لعین نے حجر اسود کو ہتھوڑا مار کر اسی ماہ میں توڑنے کی کوشش کی۔

شہادت حسین اور پس منظر

روایت ہے کہ حضرت ام الفضل نبی کریم ﷺ کی چچی تھیں، ایک مرتبہ گھبرائی ہوئی آپ کی خدمت میں تشریف لائیں، عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے آج انتہائی ڈراونا اور بھیانک خواب دیکھا ہے میں نے خواب میں فاطمہؓ کے جسم سے کٹا ہوا گوشت کا ٹکڑا آپ ﷺ کی گود میں رکھ دیا ہے، نبی کریم ﷺ نے یہ سن کر فرمایا ہو ایست عمرا کہ تو نے اچھا خواب دیکھا ہے، اس کی تعبیر یہ ہے کہ میری فاطمہ کے گھر بیٹا پیدا ہوگا۔

ایک دن نبی کریم ﷺ مسجد نبوی میں جلوہ افروز تھے کہ خاتون جنت حضرت

فاطمۃ الزہراء کے ہاں بیٹے کی ولادت کی اطلاع ملی، آپ فوراً ان کے گھر پہنچے حضرت ام الفضلؓ نے معصوم چاند جیسے حسین حضرت حسینؓ کو آپ کی گود میں رکھ دیا، نبی کریم ﷺ نے چچی کو مخاطب کر کے فرمایا کہ چچی یہ تیرے خواب کی تعبیر ہے۔

سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے نواسے کو پیار کیا پھر آپ نے گھٹی دی، تصور کیجئے کہ حضرت حسینؓ کتنے خوش نصیب تھے کہ گھٹی کے طور پر آپ کے منہ میں جانے والی سب سے پہلی میٹھی چیز دہن رسالت کا لعاب تھا جو امرت جل سے کہیں زیادہ بہتر اور آب زلال سے بدرجہا پاک اور صاف وشفاف، اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے حضرت حسینؓ کے ایک کان میں اذان اور دوسرے کان میں تکبیر کہی۔

حضرت ام الفضلؓ کا بیان ہے کہ اپنے نومولود نواسہ کو دیکھ کر سرورِ کائنات کا چہرہ انور فرط مسرت سے چمک اٹھا آپ بار بار حضرت حسینؓ کو چومتے اور آنکھوں سے لگا لیتے، اچانک میں دیکھتی ہوں کہ رحمت عالم ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، یہاں تک کہ چہرہ انور اشکبار ہو گیا، میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ یہ کیا معاملہ ہے؟ فرمایا مجھے اپنے نواسے کو دیکھ کر خوشی ہوئی مگر اب میدان کارزار کا نقشہ سامنے آ گیا ہے۔

جب حضرت معاویہؓ کے بعد یزید تخت نشیں ہوا تو حضرت حسینؓ نے اس کو اس اعلیٰ منصب کے اہل نہ سمجھا، یہیں سے یزید اور امام حسینؓ کا اختلاف شروع ہو جاتا ہے یزید نے حضرت حسینؓ کو رام کرنے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا مگر چونکہ یہ اختلاف اسلامی حدود اور تعلیمات اسلام سے یزید کی روگردانی کی بنیاد پر تھا اس لئے حضرت امام حسینؓ اپنے موقف پر اٹل رہے تا آنکہ حق وصداقت کا بول بالا کرنے کے لئے اپنے سمیت سارے خاندان کی قربانی پیش کی، سر کٹا دیا مگر باطل کے سامنے ایک لمحہ کے لئے بھی اس کا جھکانا گوارہ نہ کیا۔

سر داد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسین

یزید نے ہر چند حضرت حسینؓ پر بیعت کے لئے زور ڈالا مگر حضرت حسینؓ

نے صاف انکار کر دیا، دوسری طرف اہل کوفہ نے خطوط کے ذریعہ حضرت امام حسینؓ کو
کوفہ آنے کی دعوت دی آپ کے اعزہ، اقارب اور دوستوں و رشتہ داروں نے آپ
کوفہ جانے سے روکا مگر آپ نے فرمایا کہ میں نے وہاں جانے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے
حضرت ابن عباسؓ نے جذباتی ہو کر فرمایا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ حضرت حسینؓ میرے
کہنے پر رک جائیں گے تو میں آپ کے سر کے بالوں کو پکڑ کر روک لیتا لیکن آپ
والے نہیں، میں دیکھتا ہوں کہ کوفہ جانا خطرہ سے خالی نہیں کیونکہ کوفہ والے بے وفا
دغاباز ہیں، چنانچہ باہمی مشورہ کے بعد حضرت مسلم بن عقیلؓ کو کوفہ بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا
تاکہ وہاں کے حالات کا جائزہ لیکر آگاہ کریں، جب حضرت مسلم بن عقیل کوفہ پہنچے
تو کوفیوں نے ان کے شایان شان استقبال کیا اور دیدہ و دل فرش راہ کر دیے
ہر طرف سے خوش آمدید کے نعرے بلند ہوئے ہزاروں کوفیوں نے آپ کے ہاتھ پر
بیعت کی کوفیوں کا جذبہ و جوش دیکھ کر حضرت مسلم بن عقیلؓ نے حضرت حسینؓ کو پیغام
بھیجا کہ یہاں کی فضا سازگار ہے اس لئے آپ تشریف لائیں، دوسری طرف ابن زیاد
لباس میں مکہ والے راستہ سے مغرب و عشاء کے درمیان بڑے ڈرامائی انداز میں کوفہ
میں داخل ہوا اور مشہور کر دیا کہ حضرت حسینؓ تشریف لے آئے ہیں، ابن زیاد نے چہرہ
پر نقاب ڈال رکھا تھا یہ نقاب اترتے ہی کوفیوں کے چہرے اتر گئے ہر طرف خوف
وہراس پھیل گیا وہ بڑا جابر اور ظالم حکمراں تھا، مسلم بن عقیلؓ کی راہوں میں آنکھیں
بچھانے والے اب آنکھیں چرانے لگے، چنانچہ مسلم بن عقیلؓ کی گرفتاری کا اعلان
ہو گیا، اور انہیں پناہ دینے والے کے خلاف بھی سخت کارروائی کا اعلان کر دیا گیا
حضرت مسلم بن عقیلؓ ایسے ہوشربا حالات میں تنہا رہ گئے حضرت ہانیؓ نے ان کو اپنے
ہاں پناہ دی سرکاری جاسوس قاصد کے لباس میں حضرت ہانی کے گھر پہنچا اور ابن زیاد کو
آپ کو موجودگی کی اطلاع دیدی، دوسرے دن صبح ہی کو حضرت ہانی کو گرفتار کر کے پیش
کیا گیا ابن زیاد نے کہا کہ اگر آپ مسلم بن عقیلؓ کو ہمارے حوالہ کر دیں تو آپ کی جان
بچ سکتی ہے، حضرت ہانی نے نہایت بے باکی اور جرأت سے جواب دیا کہ میری بھی

ہزاروں جانیں قربان جاسکتی ہیں، مگر گلستاں نبوت کا پھول تمہارے ہاتھ میں نہیں دیا جاسکتا، یہ سن کر ابن زیاد بھڑک گیا اور جلاد کو اشارہ کیا تلوار اٹھی اور ایک لمحہ میں حضرت ہانی کا سرتن سے جدا ہو کر زمین پر آ گیا، حضرت مسلم بن عقیلؓ نے اپنے میزبان کی شہادت کا ذکر سنا تو تلوار نیام سے نکال کر میدان میں آ گئے، آپ کے ساتھ حضرت ہانی کے قبیلہ کے لوگ بھی شریک ہو گئے، ابن زیاد نے ان کے مقابلہ کے لئے ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا، تیر اندازی شروع ہوئی سب لوگ بھاگ نکلے حضرت مسلم بن عقیلؓ پھر تنہا رہ گئے، سارا کوفہ دشمن ہو گیا اور وہاں کے در و دیوار سے وحشت و بربریت ٹپکنے لگی، ایک رات حضرت مسلم بن عقیل تھک ہار کر ایک مکان کے دروازے کی سیڑھیوں پر بیٹھے تھے کہ اچانک دروازہ کھلا ایک بڑھیا نے کہا کہ چودھویں رات کے چاند جیسا حسین اس کے دروازہ پر بیٹھا ہے، حضرت مسلم بن عقیلؓ نے بڑھیا سے کہا ”ماں دو گھونٹ پانی پلا دو“ بڑھیا نے پوچھا تم کون ہو؟ آپ نے فرمایا میں حسینؓ کا وکیل مسلم بن عقیلؓ ہوں، غریب الدیار ہوں مظلوم و بے کس ہو، زمانہ دشمن ہے لوگ میرے خون کے پیاسے ہیں، بڑھیا نے کہا بیٹا اندر آ جاؤ میں تمہیں امان دیتی ہوں، نیک دل بڑھیا کا بیٹا درباری تھا کم بخت نے مخبری کر دی اور حضرت مسلم بن عقیلؓ کی گرفتاری کے لئے مکان کا گھیراؤ کر لیا گیا، آپ نے گرفتاری دینے کے بجائے مقابلہ کیا، شدید زخمی ہونے کے بعد پکڑے گئے، ابن زیاد کے دربار میں پیش کیا گیا جہاں آپ نے بے پناہ استقامت اور بلند حوصلگی کا مظاہرہ کیا لیکن ظالم کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا، بالآخر آپ کو شہید کر دیا گیا، اور آپ کو پناہ دینے والی میزبان بڑھیا اپنے مہمان کی شہادت سے پہلے ہی شہید ہو گئی۔

ادھر حضرت حسینؓ نے مدینہ منورہ سے مکہ جانے کے لئے رخت سفر باندھا، اور سوچا کہ ابتلا و آزمائش کے جس سفر پر نکل رہا ہوں پھر شاید کبھی دیار نبیؐ دیکھنا نصیب نہ ہو آخری بار اپنے نانا کو سلام کہنے کے لئے روضہ رسول پر حاضری دیتے ہیں تصور کیجئے کہ سیدنا حسینؓ کے دل پر کیا گذر رہی ہوگی، جب آپ نانا کے روضہ پر آخری

سلام کے لئے تشریف لے گئے ہوں گے، نواسہ رسول کو معلوم تھا کہ روضہ رسول ایک ایسی دولت ہے جو مدینہ کے علاوہ زمین کے کسی گوشہ کو نصیب نہیں، اس زمین کی مٹی پر کہکشاں بھی ناز کرتی ہے، اس سرزمین کے مقدر پر آفتاب و ماہتاب بھی رشک کرتے ہیں اس جگہ کی تعریف خود عرش والا ہی کرتا ہے سیدنا حسینؓ اس مرکز خلائق سے دور جارہے تھے، نواسہ رسول کو معلوم تھا کہ نانا کے روضہ پر بیٹھ کر عبادت کرنا سعادت مندی ہے یہاں کی عبادت افضل ترین عبادت ہے لیکن حضرت حسین امت محمدیہ کو یہ سبق دینا چاہتے تھے کہ جب نبی کا دین خطرہ میں ہو اور شرافت و دیانت اور حق و صداقت کو پامال کیا جارہا ہو تو پھر نبی کے روضہ کو چھوڑنا بھی سب سے بڑی عبادت ہے۔

حضرات! غور کیجئے حضرت حسینؓ اور ان کا خاندان ۲۷ رجب ۶۰ھ کو مدینہ سے روانہ ہوتا ہے اور ۲۷ رجب کو شہنشاہ دو جہاں نبی آخر الزماں ﷺ معراج کے لئے تشریف لیجاتے ہیں گویا کہ اسی تاریخ کو نانا نبوت کی معراج پر جارہے ہیں جبکہ نواسہ اسی تاریخ کو شہادت کی معراج پر جارہا ہے سفر کرتے ہوئے راستہ میں ایک مقام پر سیدنا حسینؓ کے قافلہ کو مشہور عربی شاعر فرزدق ملتا ہے سیدنا حسینؓ نے اس سے کوفہ کے حالات پوچھے تو وہ بولا کہ "اہل کوفہ کے دل آپ کے ساتھ ہیں اور تلواریں یزید کے ساتھ ہیں" ایک مقام پر پہنچ کر آپ کو حضرت مسلم بن عقیلؓ کی شہادت کی المناک خبر ملی یہی وہ مقام تھا کہ جہاں پر سیدنا حسینؓ نے سنجیدگی کے ساتھ آگے نہ جانے کے بارے میں سوچا، لیکن مسلم بن عقیلؓ کے رشتہ دار بضد ہو گئے کہ ہم مسلم بن عقیلؓ کا انتقام لیں گے یا خود ختم ہو جائیں گے اس پر حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ ان کے بغیر اب زندگی میں کوئی مزہ نہیں بالآخر قافلہ حق و صداقت ایک میدان میں پہنچ گیا، آپؓ نے پوچھا یہ کونسی جگہ ہے؟ بتایا گیا کہ "کربلا" ہے فرمایا "کرب وبلا" یعنی غم اور آزمائش کی جگہ ہے۔

میدان کرب وبلا

بے شک یہ جگہ اولاد رسول کی آزمائش گاہ تھی سات محرم الحرام کو آل رسول کا پانی بند کر دیا گیا دشمن نے گھیرا ڈال دیا اور موت کے سائے گہرے ہوتے چلے گئے

خطرات بڑھنے لگے، خوف و ہراس کا ماحول گرم ہو گیا، خدشات اور وسوسوں نے حقیقت کا بھیس بدل لیا، بالآخر نواسہ رسول نے دشمن سے ایک رات کی مہلت مانگی اس لئے نہیں کہ ان لمحات میں ارباب اقتدار سے سمجھوتہ کرلیں یا کہیں سے امداد طلب کرلیں یا راتوں رات مقابلہ کے لئے کوئی لشکر ترتیب دے لیں، یا ڈر کر کہیں فرار کی راہ اختیار کرلیں بلکہ اس لئے تا کہ اپنے خدا کو راضی کرسکیں حضرت حسینؓ نے تمام بچوں، عورتوں اور مردوں کے ساتھ مل کر خیموں میں ساری رات خداوند قدوس کی عبادت کی اور اس کی تسلیم و رضا کے آگے سجدہ ریز ہو گئے۔

نواسۂ رسول ﷺ کا رقت انگیز خطاب

عاشورہ محرم کے دن افق پر خونی سورج طلوع ہوا سیدنا حسینؓ نے محسوس کرلیا کہ ظالم و جابر حکومت ان کے خون کی پیاسی ہے اور دشمن کے بدلتے ہوئے تیور میں جارحیت و بربریت کا غرور دیکھ کر نواسۂ رسولؐ نے سنگ دل ظالموں کے رسول پر ندائے حق کی دستک دی کہ شاید ان کا ضمیر جاگ اٹھے شاید وہ نواسۂ رسول خدا ﷺ کے مرتبہ و مقام کو پہچان لیں اور خون ناحق سے اپنے ہاتھوں کو رنگنے سے باز آجائیں لیکن اقتدار و حکومت کا ضمیر جب سوتا ہے تو بیدار نہیں ہوتا، سیدنا حسینؓ اونٹنی پر سوار ہوئے اور خدا کا قرآن سامنے رکھ کر دشمنوں سے یوں مخاطب ہوئے۔

لوگو! میرا حسب و نسب یاد کرو، سوچو میں کون ہوں، پھر اپنے گریبانوں میں منہ ڈالو اور اپنے ضمیر کا محاسبہ کرو، خوب غور کرو، کیا تمہارے لئے میرا قتل کرنا، اور میری حرمت کا رشتہ توڑنا روا ہے؟ کیا میں تمہارے نبی کی بیٹی کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا سید الشہداء امیر حمزہؓ میرے باپ کے چچا نہ تھے؟ کیا ذوالجناحین جعفر طیارؓ میرے چچا نہیں ہیں؟ کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کا یہ مشہور قول نہیں سنا کہ آپ میرے اور میرے بھائی کے حق میں یہ فرماتے تھے، سید شباب اہل الجنۃ اگر میرا یہ بیان سچا ہے اور ضرور سچا ہے کیونکہ واللہ میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد آج تک جھوٹ نہیں بولا ہے، تو بتاؤ کیا تمہیں برہنہ تلواروں سے میرا استقبال کرنا چاہیے، اگر تم میری بات پر یقین نہیں کرتے تو تم

میں ایسے لوگ موجود ہیں جن سے تصدیق کر سکتے ہو، جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے پوچھو، ابوسعید خدریؓ سے پوچھو، سہل بن سعد ساعدیؓ سے پوچھو، زید بن ارقمؓ سے پوچھو، انس بن مالکؓ سے پوچھو وہ تمہیں بتائیں گے کہ انہوں نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے یا نہیں؟

کیا یہ بات بھی میرا خون بہانے سے نہیں روک سکتی؟ واللہ اس وقت روئے زمین پر بجز میرے کسی نبی کا بیٹا موجود نہیں، میں تمہارے نبی کا بلاواسطہ نواسہ ہوں یا مجھے اس لئے ہلاک کرنا چاہتے ہو کہ میں نے کسی کی جان لی ہے، کسی کا مال چھینا ہے کہو کیا بات ہے؟ آخر میرا قصور کیا ہے؟ حضرت حسینؓ کا یہ آخری خطبہ اتنا پر اثر اور درد انگیز تھا کہ اگر یہ خطبہ پہاڑوں کو سنایا جاتا تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتے، زمین کو سنایا جاتا تو وہ شق ہو جاتی، بادلوں کو سنایا جاتا تو وہ اشکوں کی برسات بن جاتے، لیکن سیدنا حسینؓ جن ظالموں سے خطاب فرما رہے تھے ان کے سینوں میں دل نہیں پتھر ہے۔

بالآخر میدان کارزار گرم ہوا بچے بوڑھے اور پردہ نشین عورتوں تک نے باری باری شجاعت و بہادری کی تاریخ رقم کر دی، سیدنا حسینؓ لاشوں پر لاشیں اٹھا لا رہے تھے انہیں خیموں میں رکھ دیتے، اور باقی ماندگان کو صبر کی تلقین کرتے آخر اٹھارہ برس کا جوان رعنا علی اکبر ہاتھ میں تلوار اٹھائے خیموں سے اس طرح نکلا جیسے کربلا کی اندھیر نگری میں حسن و جمال کا آفتاب طلوع ہو گیا ہو، دشمنوں کو للکارتا ہوا علی اکبر آگے بڑھا اس کی رگوں میں فاطمہ کا خون تھا، ہاتھ میں علی کی تلوار تھی، حمزہؓ کی شجاعت و جرأت کا پیکر تھا، سیدنا حسینؓ کے لخت جگر نے بہادری کے خوب جوہر دکھائے، دشمن نے علی اکبر کو محاصرہ میں لے لیا، ایک کم بخت نے گردن پر تلوار ماری، علی اکبر کا سر تن سے جدا ہو کر زمین پر جا پڑا، زینبؓ یہ دلخراش منظر دیکھ کر تڑپ اٹھیں، اپنے بھتیجے کو پکارتی ہوئی تیزی سے خیموں سے باہر نکلیں، سیدنا حسینؓ نے اس طرح بھاگتے دیکھ کر زینبؓ کو روکا، انہیں ہاتھ سے پکڑ کر خیمے کے اندر لے گئے۔

حضرات! تاریخ بڑے بڑے بہادروں کے کارناموں سے بھری پڑی ہے

لیکن تاریخ میں سیدنا حسینؓ جیسا کہ بہادر نظر نہیں آتا جس کے سامنے سارا خاندان تہہ تیغ کر دیا گیا ہو مگر سیدنا حسینؓ بڑے حوصلہ اور صبر کے ساتھ اس خون آشام منظر کو دیکھ رہے ہیں، اور دشمن کی ننگی تلواروں کے سامنے چٹان بنے ہوئے ہیں، سیدنا حسینؓ نے جنگ کے دوران اپنے چھ ماہ کے لخت جگر علی اصغر کو گود میں اٹھالیا اور دشمنوں سے مخاطب ہو کر فرمایا ''ظالمو! دشمنی تمہیں مجھ سے ہو سکتی ہے اس معصوم نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟ یہ پیاس سے بلبلا رہا ہے، اسے تو پانی کے دو گھونٹ پلا دو'' جواب میں دشمنوں نے تیر مارا جو علی اصغر کے حلق میں پیوست ہو گیا، سیدنا حسینؓ نے تیر کو کھینچ کر نکالا خون کا فوارہ پھوٹ پڑا، آپ نے شہید لخت جگر کے خون سے چلو بھرا اور آسمان کی طرف پھینکتے ہوئے فرمایا خدایا دیکھ تیرے نبی کی اولاد کے ساتھ کیا ظلم ہو رہا ہے۔ سیدنا حسینؓ نے علی اصغر کی لاش زمین پر رکھ کر اپنے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کئے اور دعا مانگی پروردگار عالم اپنے حضور میری آخری قربانی قبول فرما، کیونکہ حضرت حسینؓ کو معلوم تھا کہ دشمن ظالم ہے اس کا دل پسیجنے والا نہیں ہے، جنہوں نے نواسہ رسول کی ساری اولاد کو خاک و خون میں تڑپایا تھا ان سے رحم کی توقع کیونکر کی جا سکتی تھی۔

سیدنا حسینؓ دلیری و مردانگی کے بھرپور مظاہرے کر رہے ہیں، لیکن کب تک آخر کار دشمنوں کے گھیرے میں آ گئے ایک ازلی بد بخت آگے بڑھتا ہے، نواسہ رسول کے سینہ پر بیٹھ کر آپ کا سر مبارک قلم کر کے نیزے کی نوک پر لے آتا ہے۔

قتل حسینؓ اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

دشمنوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ آل رسول ﷺ کے مقدس جسموں پر گھوڑے دوڑا دیے، خیموں کے اندر عورتوں نے یہ منظر دیکھا تو چلا اٹھیں، سیدنا حسینؓ کی لاش پر گھوڑوں کا دوڑنا تھا کہ زینبؓ بے اختیار اپنے نانا کو پکارا اے محمد ﷺ تجھ پر ایمان کے فرشتوں کا درود و سلام یہ دیکھ حسینؓ ریگستان میں پڑا ہے خاک و خون سے آلود ہے، تیری اولاد تہہ تیغ کر دی گئی ہے، ہوا ان پر خاک ڈال رہی ہے، حضرت زینبؓ کی یہ چیخ سن کر دوست دشمن سب رونے لگے

اے کربلا کی خاک اس احسان کو نہ بھول
تڑپی ہے تجھ پہ لاش جگر گوشہ بتول
اسلام کے لہو سے تیری پیاس بجھ گئی
سیراب کرگیا تجھے خون رگ رسول

سیدنا حسینؓ کا کٹا ہوا سر ابن زیاد کے دربار میں لایا گیا، روایت ہے کہ آپ کا سر مبارک طشتری میں رکھا ہوا تھا، ابن زیاد فتح ونصرت کے نشہ میں اٹھا اور اپنی چھڑی حضرت حسینؓ کے لبوں پر رکھی، دربار کانپ اٹھے، جلیل القدر صحابی حضرت زید بن ارقم تڑپ اٹھے، دربار میں کھڑے ہوگئے، فرمایا ابن زیاد خدا سے ڈر تو ان لبوں پر چھڑی مار رہا ہے، جن لبوں کو سرکار دو عالم ﷺ چوما کرتے تھے یہ کہہ کر حضرت زید بن ارقم دربار سے چلے گئے۔

زمانہ ہوگیا ہائے محبت کی تباہی کو
ابھی تک ہیں وہی گلکاریاں خون شہیداں کی

حضرات! سیدنا حسینؓ نے میدان کربلا میں بے مثال قربانی پیش کرکے قیامت تک کے لئے علم اسلام کو بلند کردیا، سیدنا حسینؓ چاہتے تو جان بچا سکتے تھے لیکن مقصد صرف جان بچانے ہی کا نہیں تھا بلکہ اسلام کی قدروں کی حفاظت مقصد تھا جو جان بچانے سے نہیں بلکہ جان دینے سے حاصل ہوسکتا تھا، اس لئے سیدنا حسینؓ نے اپنی جان کی پرواہ نہ کی دنیا کی نظروں میں حضرت حسینؓ نے سب کچھ لٹا دیا لیکن خدا کی نظر میں حضرت حسینؓ نے سب کچھ پایا اسی کا نام ''حسینیت'' ہے اور یہی نواسہ رسول کا درس ہے کہ خاندان تہہ تیغ ہوتا ہے تو ہوجائے، اولاد کٹتی ہے تو کٹ جائے رنج والم کے پہاڑ ٹوٹتے ہیں تو ٹوٹتے رہیں آزمائش اور ابتلاء کی آندھیاں چلتی ہیں تو چلتی رہیں، جان جاتی ہے تو جائے لیکن نبی کا دین کسی قیمت پر بھی خطرہ میں نہ پڑے۔

ستم شعار تو دنیا سے مٹ گئے لیکن
جبین دہر پہ یاد حسینؓ باقی ہے

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ماہ صفر اور ہجرت نبویؐ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین امابعد! وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ یُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا

حضرات گرامی! اسلامی مہینوں میں یہ "صفر" کا مہینہ ہے اس مہینہ کی سب سے بڑی فضیلت اور اہمیت یہ ہے کہ اس کے آخری عشرہ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی ہے۔

"ہجرۃ" کے لغوی معنی چھوڑنے کے آتے ہیں اور اصطلاح شریعت میں "ہجرت" اسلامی تعلیمات اور شعائر پر عمل کرنے کے لئے خوشنودی مولیٰ کی خاطر اپنے وطن کو چھوڑ کر ایسی جگہ چلے جانا ہے جہاں شعائر اسلام پر عمل کرنے کی مکمل آزادی ہو۔

ہجرت کی اہمیت

حضرات! قرآن کریم میں جہاد اسلامی کے بعد ہجرت ایک اہم ترین عبادت ہے، غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ایک مسلمان کے لئے سب سے زیادہ اہم اگر کوئی چیز ہے تو وہ نہ اس کا اپنا وطن ہے نہ اس کی قوم ہے نہ اس کی روزی روٹی ہے، اور روزگار اور معاش ہے بلکہ اس کے لئے سب سے زیادہ اہم چیز یہ ہے کہ جن اصولوں پر وہ ایمان لایا ہے ان کے مطابق وہ زندگی بسر کرکے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرسکے اگر وہ ان اصولوں کے مطابق زندگی بسر نہ کرسکے تو اس کے لئے آزادی کیا خود زندگی بے معنی ہوجاتی ہے، وہ اپنی زندگی کو خدا کی راہ میں قربان کردینا زیادہ بہتر سمجھے گا،

بہ نسبت اس کے کہ ان اصولوں کو قربان کردے جن پر اس کے ایمان کا دارومدار ہے اور جن کے متعلق وہ یقین رکھتا ہے کہ وہ اصول حق ہیں اور خدا اور رسول کے دیئے ہوئے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے اسی بنیاد پر مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی، مکہ میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے فداکاروں پر ظلم کی انتہاء ہو چکی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو ہدایت کی کہ رفتہ رفتہ چوری چھپے ہجرت کر کے مدینہ پہنچ جائیں صحابہ کرام نے اس حکم کی تعمیل میں ذرا بھی تردد یا تامل نہیں کیا، مکہ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ اور کچھ بیمار و عاجز رہ گئے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اجازت چاہی تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امید ہے ابوبکر کہ مجھے بھی ہجرت کی اجازت مل جائے گی، جس کا مقصد یہ تھا کہ ہجرت کے اس تاریخ ساز سفر میں ابوبکر صدیقؓ کو میری رفاقت نصیب ہو، حفیظ جالندھری نے شاہنامہ اسلام میں ہجرت کا پس منظر اس طرح بیان کیا ہے:

ادھر مکہ میں دنیا تنگ تھی ایمانداروں پر
کہ روندے جا رہے تھے پھول کے سے جسم خاروں پر
صحابہ پر اگرچہ قہر کے بادل برستے تھے
بے چارے سانس آزادی سے لینے کو ترستے تھے
نہ تھا آسان منہ اپنے وطن سے موڑ کر جانا
رسول پاکؐ کو مکہ میں تنہا چھوڑ کر جانا

صحابہ کرام نے ارشاد نبویؐ سنتے ہی خفیہ طور پر ہجرت کا سلسلہ شروع کر دیا مگر ہجرت کرنا بھی کوئی آسان معاملہ نہ تھا، صحابہ کو طرح طرح کی مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا، کیونکہ جو کوئی ہجرت کرتا مشرکین مکہ پوری طرح مزاحمت کرتے تا کہ کوئی مسلمان مکہ نہ چھوڑ سکے، سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد نے ہجرت کا ارادہ فرمایا جب وہ اپنی بیوی اور بچوں

کے ساتھ ہجرت کے لئے پا بہ رکاب ہو گئے تو میاں بیوی دونوں کے رشتہ آڑے آ گئے، حضرت ام سلمہؓ جو بعد میں امہات المومنین میں شمار ہوئیں کے رشتہ داروں نے انہیں روک لیا، حضرت ابو سلمہ تنہا رہ گئے اور کمال استقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے تن تنہا مکہ سے مدینہ پہنچ گئے چونکہ حضرت ابو سلمہ کے بیٹے کو مکہ میں حضرت ام سلمہ کے رشتہ داروں نے چھین لیا تھا حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ خاوند اور اپنے لخت جگر کی المناک جدائی میں میرا یہ حال تھا کہ میں مقام فرقت پر پہنچ جاتی اور گھنٹوں اپنے نصیب پر روتی جب اس طرح ایک سال گزر گیا تو میرے چچا کے لڑکے کو میرے حال پر رحم آ گیا اس کی کوششوں سے بچہ بھی واپس ہوا اور مدینہ جانے کی اجازت بھی ملی حضرت ام سلمہؓ نے بچہ گود میں لیا تنہا ہجرت کے راستہ پر گامزن ہو گئیں ایک منزل پر حضرت عثمانؓ بن طلحہ سے ملاقات ہوئی دیکھا کہ ایک اجنبی عورت خوف وخطرات کی پرواہ کئے بغیر خاک مدینہ کو چومنے کے لئے پروانہ وار بڑھ رہی ہے، پوچھا کوئی ساتھ ہے؟ ام المومنین بننے والی اس عظیم المرتبت اور علو الہمت خاتون نے جواب دیا "لَا وَاللّٰہِ اِلَّا اللّٰہُ وَبُنَیَّ ھٰذَا" خدا کی قسم میرے ساتھ میرا خدا ہے یا میرا معصوم بچہ، حضرت ام سلمہؓ کا یہ ایمان افروز جواب سن کر حضرت عثمان بن طلحہؓ پر رقت طاری ہو گئی اور اس جملہ نے اس قدر ان کے دل پر اثر کیا کہ اونٹ کی مہار پکڑ کر آگے چلتے ہوئے حضرت ام سلمہؓ کو مدینہ پہنچا کر آئے۔

حضرت صہیب رومیؓ ہجرت کر کے جانے لگے تو مشرکین مکہ نے ان کو گھیر لیا اور بولے کہ جب تو مکہ آیا تھا تو مفلس وقلاش تھا، یہاں سے مال کمایا اب مال وزر یہاں سے لیجانے کی اجازت نہیں دیجا سکتی حضرت صہیب رومیؓ نے فرمایا "اچھا اگر میں سارا مال ومتاع تمہیں دے دوں پھر تو مجھے جانے کی اجازت دو گے؟ قریش نے کہا ہاں تب ہماری طرف سے جانے کی اجازت ہو گی، حضرت صہیب رومیؓ نے خدا اور رسول کی خوشنودی کے لئے اپنا سارا مال قریش مکہ کے حوالہ کیا اور خالی ہاتھ مدینہ کی طرف چل پڑے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ سنا تو فرمایا کہ سب کچھ دیکر

بھی صہیب ؓ نے اس سودے میں نفع کمایا"

حضرت عیاش ؓ اور حضرت ہشام ؓ دونوں ہی حضرت عمر ؓ کے ساتھ ہجرت کے لئے تیار ہوئے، کفار مکہ کو خبر ملی تو حضرت ہشام کو پابند سلاسل کر دیا، مگر حضرت عیاش ؓ ان کے ہاتھ نہیں آئے اور مدینہ پہنچ گئے ابوجہل پیچھا کرتے ہوئے مدینہ پہنچا اور حضرت عیاش ؓ کو پکڑنے کے لئے ایک عیارانہ چال چلی انہیں بتایا کہ ان کی والدہ سخت بیمار ہیں، حضرت عیاش ؓ کا یہ سن کر دل بھر آیا ابوجہل کے ساتھ روانہ ہو گئے، سردار مکہ ابوجہل نے راستہ ہی میں مشکیں باندھ لیں، تشدد کیا، اور قید تنہائی میں ڈال کر طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں پہنچائیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح میں قنوت نازلہ پڑھتے اور حضرت عیاش ؓ کی رہائی کے لئے دعا فرماتے، چنانچہ سرور دو عالم کی دعا قبول ہوئی حضرت عیاش ؓ کو قید کفار سے رہائی ملی اور سیدھے مدینہ منورہ میں آستانہ نبوت پر حاضری دی۔

قریش مکہ نے جب دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فدا کار مکہ چھوڑ کر مدینہ کو اپنا مرکز بنا رہے ہیں اور انصار مدینہ نے ہجرت کر کے جانے والوں کے لئے دیدہ و دل فرش راہ کر دیئے ہیں اور انہیں اپنی حمایت اور پناہ میں لے لیا ہے تو سرداران مکہ چراغ پا ہو گئے اور انہیں خوف پیدا ہونے لگا کہ کہیں مسلمان ان کے لئے خطرہ نہ بن جائیں، چنانچہ وہ تدبیریں کرنے لگے، دارالندوہ جو قصی بن کلاب کی تعمیر کردہ ایک عظیم عمارت تھی اس میں قریش مکہ نے مسلمانوں کے خلاف مشورے شروع کر دیئے تمام سرداران قریش یہاں جمع ہوئے اور ایک خصوصی اجلاس ہوا اس میٹنگ میں شیطان ملعون نے بھی ایک شیخ پارسا کی شکل میں شرکت کی سرداران مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور دین کی روز افزوں اشاعت اور اثرات پر سخت تشویش کا اظہار کیا انہوں نے کہا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین اسی طرح ترقی کرتا رہا، اور مسلمان مضبوط ہو گئے تو کفار مکہ کی سلامتی، معیشت اور کاروبار خطرہ میں پڑ جائیگا چنانچہ اسلام کی ترقی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر

بندش لگانے کے لئے مختلف تجاویز زیر غور آئیں، کسی نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جلاوطن کر دیا جائے، شیطان جو ایک شیخ زاہد کی شکل میں تھا کہا کہ یہ تجویز مناسب نہیں کیونکہ تم نہیں جانتے کہ وہ کتنے شیریں کلام ہیں جب وہ بولتے ہیں تو ان کی زبان سے پھول جھڑتے ہیں، ان کا کلام دلوں کو مسخر کرتا ہے وہ جہاں کہیں بھی جائیں گے اپنی زبان کا جادو جگائیں گے، لوگ ان سے متاثر ہو کر ان کے حامی اور طرفدار بن جائیں گے اور پھر تم پر حملہ کر کے تمہیں نیست و نابود کر دیں گے۔

ایک تجویز یہ پیش کی گئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں بیڑیاں ڈال کر ان کو ایک کوٹھری میں بند کر دیا جائے اور کھانے پینے کے لئے کچھ نہ دیا جائے اس سے (نعوذ باللہ) خود بخود ہلاک ہو جائیں گے، شیطان نے اس تجویز سے بھی اختلاف کیا اور لوگوں کو بتایا کہ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ آپؐ کے دیوانے اور پروانے ہیں ان کے وجود کی خوشبو ان کے عقیدتمندوں کو ان کی قید و بند کی خبر دے دے گی، وہ اپنی جانوں کی پرواہ کئے بغیر تم پر حملہ کر کے انہیں تم سے چھڑا لیں گے آخر میں سردار مکہ ابوجہل نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بڑھتے ہوئے اثرات اور مقبولیت کو ختم کرنے کا طریقہ صرف یہ ہے کہ انہیں (نعوذ باللہ) ختم کر دیا جائے اور ختم کرنے کا طریقہ یہ ہو کہ ہر قبیلہ سے ایک جوان نمائندہ لیا جائے اور سارے مل کر حملہ کر دیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) (نعوذ باللہ) ہلاک ہو جائیں گے اور آپ کے خون کا جرم تمام قبائل پر ہو گا قبیلہ بنو ہاشم تمام قبیلوں سے لڑنے کی ہمت نہیں رکھتا وہ صرف دیت کا مطالبہ کرے گا، اور ہم سب مل کر دیت ادا کر دیں گے، پس (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ختم کرنے کا واحد یہی راستہ ہے۔

شیطان نے اس تجویز پر بہت داد دی اور کہا کہ اس سے بہتر اور کوئی تجویز نہیں ہو سکتی چنانچہ طے پایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کا محاصرہ کر کے تمام قبائل کے جوان اپنی تلواریں لئے تیار ہو کر آئیں اس اہم اجلاس میں ابوجہل عتبہ، ربیعہ، شیبہ، امیہ بن خلف، زمعہ بن اسود ابوالبختری بن عاص، نبیہ منبہ اور نضر بن حارث جیسے

بڑے بڑے مشرکوں نے چراغ مصطفوی کو گل کرنے کا منصوبہ بنایا یہ نو کے نو سردار غزوہ بدر میں بری طرح قتل ہوئے اور دنیا ہی کے اندر ذلت ورسوائی ان کا مقدر بن گئی۔

قرآن کریم میں حضرت صالح علیہ السلام کا واقعہ مذکور ہے جس کی تفصیل کا موقع نہیں، مختصر یہ کہ انبیاء کی ایسی ہی ایک تاریخ ہوئی ہے حضرت صالح علیہ السلام کے زمانہ میں شر پسندوں اور ان کے دشمنوں کی تعداد بھی نو تھی مشرکین مکہ کے سردار بھی نو تھے انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو ہلاک کرنے کے جتن کئے انہوں نے چراغ مصطفوی گل کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔

جب مشرکین مکہ اپنے منصوبوں اور تدبیروں پر خوش تھے، چنانچہ انہوں نے ان منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک رات کا انتخاب کیا اور مشرکین مکہ کے ایک سو نوجوانوں نے پروگرام کے تحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہلاک کرنے کے لئے برہنہ تلواریں ہاتھوں میں لئے ہوئے تھے مشرکین مکہ نبی کریم کے جانی دشمن ہونے کے باوجود اپنی امانتیں آپ ہی کے پاس رکھا کرتے، ہادی برحق کو آج یہ فکر تھی کہ ان امانتوں پر کوئی حرف نہ آئے، آپؐ عبادت میں مشغول رہے فارغ ہوئے تو حضرت علیؓ کو جگایا اور فرمایا:

علی ہجرت کا حکم آ گیا ہے، میرے پاس اہل مکہ کی یہ امانتیں ہیں صبح ہوتے ہی ان تک پہنچا دینا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بستر حضرت علیؓ کے حوالہ کیا اور حکم دیا کہ میری سبز چادر اوڑھ کر سو جاؤ

خدا حافظ ہے دیکھو دل میں اندیشہ نہ کچھ لانا
یہ چیزیں ان کو پہنچا کر سوئے یثرب چلے آنا

حضرت علیؓ نے حیرت سے پوچھا کہ یا رسول اللہ باہر تو دشمنوں نے گھیرا ڈال رکھا ہے آپؐ باہر کیسے نکلیں گے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''علی فکر مت کرو، یہاں سے راستہ دینا میرے مولیٰ کا کام ہے''

سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی مٹی لی اور سورہ یٰسین کی ابتدائی آیتیں فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ تک پڑھنے کے بعد وہ مٹی اپنے دشمنوں کی طرف پھینک دی، یکایک ایک تیز آندھی چلی دشمن آنکھیں ملنے لگے، سرور کائنات برہنہ تلواروں، خونی دشمنوں، خطرناک پہروں اور ناپاک ارادہ رکھنے والوں کے گھیرے سے آناً فاناً باہر ہو گئے۔

حضرات! انسانی عقل حیران ہوتی ہے کہ یہ کس طرح ہوا؟ ایسے معاملوں میں عقل ہمیشہ حیران و سرگرداں رہی ہے، یاد رکھئے کہ جو خدا کے ہو جاتے ہیں خدا ان کا ہو جاتا ہے انہیں راستوں کی ضرورت اور تلاش نہیں رہتی راستے خود انہیں تلاش کرتے ہیں، کفار مکہ نے پوری رات آستانہ رسالت کا محاصرہ کئے رکھا صبح ہونے سے پہلے دشمن اپنے ناپاک ارادے کی تکمیل کے لئے اندر داخل ہوئے بستر پر سونے والے کے اوپر سے چادر اٹھائی تو بستر پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے علیؓ تھے، یہ دیکھ کر دشمن کی حیرت کی انتہا نہ رہی، پوچھا:

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟"

حضرت علیؓ نے لاعلمی کا اظہار کیا، مشرکین کف افسوس ملتے ہوئے ناکام و نامراد واپس لوٹے، ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حکم الٰہی کے مطابق مکہ کو چھوڑنے والے تھے ایک بلند مقام پر کھڑے ہو کر مکہ کی سوئی ہوئی وادی کو حسرت بھری نگاہ سے دیکھا آنکھوں میں آنسو آ گئے، سردار دو جہاں اسی مکہ میں پیدا ہوئے تھے اسی کی گلیوں میں بچپن گزارا، اسی دھرتی پر جوان ہوئے آج اسی سرزمین کو چھوڑ کر جا رہے تھے، آپؐ نے مکہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

"مکہ تو رحمتوں برکتوں اور تجلیات الٰہی کا مرکز ہے، تجھے چھوڑنے کو میرا جی نہیں چاہتا مجھے تجھ سے پیار ہے لیکن کیا کروں تیرے بسنے والے مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آستانہ نبوت چھوڑ کر سیدھے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر پہنچے آپؐ نے اپنے رفیق کو ہجرت کی خوشخبری سنائی تو ان کا چہرہ خوشی سے کھل

اٹھا اور آنکھیں اشکہائے مسرت سے لبریز ہو گئیں۔

سنایا دوست کو فرمان حق یثرب کی ہجرت کا
نوید زندگی بخشی دیا مژدہ رفاقت کا

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی چھوٹی صاحبزادی حضرت اسماءؓ نے کھانا بنایا جلدی میں کھانا باندھنے اور مشکیزہ کا منہ باندھنے کے لئے اپنا دوپٹہ پھاڑا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت اسماءؓ کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ انہیں "ذات النطاقین" کا لقب دیا، یہاں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے فداکار ساتھی غار ثور چلے گئے، مشرکین کے سردار تلاش میں نکلے ابوجہل کو معلوم تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر صدیقؓ کے گھر ضرور جائیں گے اس لئے سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر پہنچا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں پوچھا، بچی نے لاعلمی کا اظہار کیا تو ابوجہل نے طیش میں آکر معصوم بچی کے منہ پر اس زور سے طمانچہ مارا کہ اس کے کان کی بالی زمین پر جا گری، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر سے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم برآمد نہیں ہوئے تو تلاش کرنے والے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نقش پا دیکھتے ہوئے منزل مقصود کی طرف بڑھے۔

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے
کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی

مشرکین مکہ سراغ رسانوں کے ساتھ غار ثور تک جا پہنچے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دشمن کو اپنی طرف آتے دیکھ کر فرمایا:

''یارسول اللہ! دشمن آ رہا ہے''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت اطمینان کے ساتھ جواب دیا:

''لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کہ غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے''

قدرت کی حفاظت کا انتظام دیکھئے کہ مکڑی کو حکم دیا کہ غار ثور کے منہ پر جلدی سے جالا لگا دے، جنگلی کبوتر کو حکم ملا کہ تو بھی جلدی سے چند تنکے جمع کر کے اس کے

اوپر بیٹھ کر انڈے دیدیے، عرب کے سراغ رساں پاؤں کے نشان دیکھ کر سراغ لگانے میں بڑے ماہر تھے، اس لئے سراغ لگانے والے غار ثور کی طرف بڑھے، کبوتری پھر سے اڑ گئی کبوتری کا اڑنا تھا کہ دشمنانِ رسول خوشی سے پھولے نہ سمائے اور باآواز بلند کہا مبارک ہو سرداران مکہ آپ کا دشمن اسی غار کے اندر ہے مکہ کے سردار سراغ لگانے والوں پر برہم ہوئے اور کہا:

"نالائقو! انسان کی موجودگی میں ایک کبوتری غار کے سامنے کیسے ٹھہر سکتی ہے اور مکڑی کا جالا کیسے بنا جا سکتا ہے، اور یہ جالا کئی سالوں کا پرانا معلوم ہوتا ہے مکہ کے سرداروں نے سراغ رسانوں کو سخت سست کہا کہ تم نے ہمارا وقت برباد کیا دشمن کہیں اور نکل گیا ہے اور تم اس کو غار ثور میں تلاش کر رہے ہو، سراغ رسانوں نے بہت زور لگایا کہ آپ تسلی تو کر لیں لیکن مشرکین نے ایک نہ سنی اور سراغ رسانوں کو ڈانٹتے ہوئے واپس چلے گئے۔

غار ثور میں تین دن قیام کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کا ارادہ فرمایا حضرت ابوبکر صدیق نے سفر کے جملہ انتظامات کر رکھے تھے، آپ ؓ نے ہجرت سے چار ماہ پہلے دو اونٹنیاں خرید لی تھیں جنہیں ببول کے پتے کھلایا کرتے تھے تاکہ مکہ سے مدینہ تک کے صبر آزما سفر میں انہیں استعمال کیا جا سکے ادھر مکہ کے مشرکین نے "لات و عزیٰ" کے سامنے التجائیں کیں جب جھوٹے خدا کام نہ آئے تو اعلان کیا کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ پکڑ کر لائے گا اسے سو اونٹ انعام میں دیے جائیں گے اس لالچ میں بے شمار مشرکین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے لیکن سب ہی اپنے ناپاک مقصد میں نامراد و ناکام ہوئے۔

سراقہ بن مالک

البتہ سراقہ بن مالک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کرتے ہوئے آپ ؐ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا، سراقہ بن مالک اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں

گھوڑے پر سوار ہو کر نہایت تیزی کے ساتھ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا پیچھا کر رہا تھا کہ اچانک میرے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی میں گھوڑی سمیت زمین پر گر پڑا میں نے اٹھ کر تیروں سے فال نکالی لیکن نتیجہ میں ناکامی آئی دوبارہ گھوڑی پر سوار ہو کر ایڑ لگائی اب میں شہنشاہ دو عالم کے اتنے قریب پہنچ گیا تھا کہ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز میرے کانوں میں رس گھول رہی تھی، حضرت ابو بکر صدیق اپنے محبوب سرکار دو عالم کی حفاظت کے لئے بار بار پیچھے مڑ کر دیکھتے تھے اچانک میرے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے اور میں زمین پر گر پڑا، چونکہ میں انعام کے سنہری خواب دیکھ رہا تھا اس لئے میں نے تیروں سے فال نکالی لیکن نتیجہ پھر بھی میرے حق میں نہ نکلا، سراقہ کہتے ہیں کہ میں نے گھوڑے کو ڈانٹ کر کھڑا کیا، دفعتاً ایسا غبار اٹھا جو دھوئیں کی طرح پورے آسمان پر چھا گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور فرمایا:

''سراقہ تیرے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن دیکھ رہا ہوں''

سراقہ کہتے ہیں کہ میرے دل نے گواہی دی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دین غالب آ کر رہے گا، میں آگے بڑھا اور اپنا سارا قصہ سنایا کہ میں اپنے کئے پر نادم ہوں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت شفقت سے حضرت صدیق اکبرؓ کے غلام عامر بن فہیرہ کو حکم دیا کہ وہ چمڑے پر امان نامہ لکھ دیں اس طرح سراقہ ناکام واپس لوٹ گیا، راستہ میں جو بھی اس قافلہ ہجرت کا متلاشی نظر آیا اسے روکا اور بتایا کہ اس راستہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہیں نظر نہیں آئے، سراقہ بن مالک حنین وطائف کی فتح کے بعد دوبارہ دربار رسالت میں حاضر ہوئے اپنا امان نامہ دکھایا اور مشرف باسلام ہوئے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کا زمانہ تھا کہ ایران فتح ہوا مال غنیمت سے مسجد نبوی کا صحن بھر گیا حضرت فاروق اعظمؓ مال تقسیم فرما رہے تھے اچانک کسریٰ کے کنگن برآمد ہوئے معاً حضرت عمرؓ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا واقعہ یاد آ گیا، بلند آواز سے فرمایا:

''اس مجمع میں سراقہ بن مالک ہے؟''

سراقہ کھڑے ہو گئے، امیر المومنین نے فرمایا:

''سراقہ آگے آجاؤ''

سراقہ آگے آگئے تو حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا:

''سراقہ تیرا اسلام قبول ہے، اسلام میں مرد کے لئے سونا پہننا حرام ہے لیکن ایک دفعہ سونے کے کنگنوں کو پہن کر دکھا دو تا کہ قیامت تک آنے والی خدائی کو پتہ چل جائے کہ ساری دنیا تو جھوٹی ہو سکتی ہے، مگر سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے بول غلط نہیں ہو سکتے، اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی سچ ثابت ہوئی۔

ام معبدؓ

سفر ہجرت کے دوران دوسرا اہم واقعہ ام معبد کا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبرانہ کمالات سے متاثر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوگیں، مکہ اور مدینہ کے راستہ میں ایک منزل پر ام معبدؓ کا خیمہ تھا جو قافلوں کے ٹھہرنے اور ستانے کی ایک مشہور جگہ تھی، بڑھیا مسافروں کی خدمت کیا کرتی تھی، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفیق سفر کے ساتھ ام معبدؓ کے خیمے کے قریب پہنچے تو دوپہر کا وقت تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خورد و نوش کا سامان خریدنے کی خواہش ظاہر فرمائی معلوم ہوا کہ قحط کی بناء پر کھانے کی کوئی چیز بھی مہیا نہیں ہوئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیمہ کے ایک کونے میں ایک بکری کھڑی دیکھی تو ام معبد سے دودھ لینے کی خواہش ظاہر فرمائی، ام معبد نے بتایا کہ یہ بکری کافی دنوں سے بیمار ہے نہ کھاتی ہے نہ پیتی ہے، ظاہر ہے کہ دودھ دینے کا سوال ہی نہیں ورنہ اپنے مہمانوں کو دودھ کے لئے ضرور پیش کرتی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اماں اجازت دینا آپکا کام ہے اور اس سے دودھ لینا میرے خدا کا کام ہے''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ پڑھ کر اپنا دست مبارک بکری کے تھن کو لگایا تو اس کے تھنوں میں دودھ اتر آیا، آپ نے بڑے برتن میں دودھ دوہا، سب سے پہلے ام معبد کو پلایا پھر اپنے رفقاء سفر کو پلایا دوبارہ دودھ دوہنے پر اپنے یار غار کو پلایا اور سب سے آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نوش فرمایا اور ایک پیالہ بڑھیا کو دیدیا کہ رکھ لیں گھر میں کام آئے گا۔

یہ درحقیقت ام معبد کے خاوند کا حصہ تھا، اب بکری تندرست تھی، ام معبد یہ سارا واقعہ بڑی حیرت سے دیکھتی رہی، ام معبد کے مہمانوں کا قافلہ جب تک اس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوا وہ فرط عقیدت سے کھڑی ان بابرکت شخصیتوں کی اڑتی ہوئی گرد راہ کا نظارہ کرتی رہی، شام کو ام معبد کا خاوند گھر لوٹا، جوں ہی وہ خیمے میں داخل ہوا اس نے ام معبد سے سوال کیا آج خیمے میں خوشبو کیسی ہے؟ اس کی نگاہ بکری پر پڑی جو تندرست و توانا نظر آئی، پھر اس نے دودھ کا بھرا ہوا پیالہ دیکھا تو حیرت کی انتہا نہ رہی، پوچھا ام معبد یہ کیا ماجرا ہے؟ ام معبد نے جواب دیا کہ ایک نورانی چہرے والا آیا تھا، یہ سب اس کی آمد اور نگاہ کرم کا نتیجہ ہے، ام معبد کے خاوند نے اس اجنبی کا حلیہ پوچھا ام معبدؓ نے برجستہ جواب دیا:

"پاکیزہ صورت، کشادہ رو، خوش اخلاق، نہ پیٹ بڑھا ہوا نہ چندیا کے بال گرے ہوئے، وجیہ و جمیل سیاہ اور بڑی آنکھیں، لمبے اور گنجان بال، آواز میں بھاری پن، سیدھی گردن، روشن اور سرگیں آنکھیں، باریک و پیوستہ ابرو، خاموش، باوقار، دور سے دیکھنے میں سجیلا اور دلربا، قریب سے نہایت حسین اور شیریں کلام، نپا تلا، الفاظ ضرورت سے نہ کم نہ زیادہ، گفتگو ایسی کہ موتی ہار میں پروئے ہوئے ہوں، میانہ قد کہ کوتاہی سے حقیر نظر نہ آتے، نہ طویل کہ آنکھ اس سے نفرت کرے"

ابو معبد نے کہا کہ یہ اجنبی مجھے صاحب قریش معلوم ہوتے ہیں جن کی مجھے تلاش تھی، دونوں میاں بیوی سب کچھ چھوڑ کر سرکار دو عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شرف بہ اسلام ہوئے۔

ابوسعید ی کا بیان ہے کہ عرب کے اندر قحط پڑا، سب قبیلے دودھ سے محروم ہو گئے، ہمارے ریوڑ میں شامل ساری بکریوں کا دودھ خشک ہو گیا لیکن وہ بکری کہ جس کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے دوہا تھا، وہ برابر دودھ دیتی رہی ہم صبح وشام برابر اس سے دودھ حاصل کرتے، آقا ومولا کی یہ نشانی ہمارے پاس سیدنا فاروق اعظمؓ کے دور تک زندہ رہی اور ہم دست نبوت کی برکات سے مدت تک فیض حاصل کرتے رہے۔

ام معبدؓ کی خالہ زاد بہن ہند سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوپہر کو ہمارے خیمے میں آرام فرمایا جب استراحت فرما کر اٹھے تو وضو کرنے کے لئے پانی طلب فرمایا، ہاتھ دھوئے، کلی کر کے پانی خیمے کے پاس پڑی ہوئی درخت کی ایک خشک جڑ پر پھینک دیا، اگلی صبح ہوئی تو ہم کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں ایک سرسبز درخت اگا ہوا تھا بعد میں اس درخت پر پھل آیا جس سے خوشبو پھوٹتی تھی، اور یہ پھل ذائقہ دار اور شہد سے زیادہ میٹھا اور شیریں تھا، جسے اگر بھوکا شخص کھاتا تو سیر ہو جاتا، پیاسا کھاتا تو اس کی پیاس بجھ جاتی، بیمار کھاتا اس کی برکت سے بیماری جاتی رہتی اور وہ شفایاب ہو جاتا

مدینہ طیبہ میں نزول

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ کے ہمراہ مدینہ کی جانب رواں دواں تھے، ادھر اہل مدینہ فخر کائنات کے انتظار میں دیدہ ودل فرش راہ کئے ہوئے تھے، اہل مدینہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی امید میں صبح سویرے گھروں سے نکلتے اور پہروں انتظار کر کے مایوس گھر لوٹ جاتے، ایک دن لوگ انتظار کی جانگسل گھڑیاں گزار کر گھروں کو واپس لوٹ رہے تھے کہ اچانک ایک یہودی نے اہل مدینہ کو یہ خوشخبری سنائی کہ جس عظیم ہستی کا تمہیں انتظار تھا وہ قدم رنجہ فرما ہو گئی ہے، یہودی کی آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ انصار مدینہ والہانہ اور عاشقانہ انداز میں استقبال کے لئے دوڑ پڑے، اور پہلی بار وادی مدینہ نعرۂ تکبیر سے گونج اٹھی:

نظر آئی جوں ہی پہلی جھلک روئے پیغمبر کی
سلامی گونج اٹھی نعرۂ اللہ اکبر کی

اکٹھے ہو گئے ہر سمت سے طالب زیارت کے
شعاعوں کی طرح سے گرد خورشید رسالت کے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی جنوبی سمت تین میل کے فاصلہ پر ایک آبادی جس کا نام قبا ہے، میں قیام فرمایا، انصار ومہاجرین یہیں قدم بوسی کے لئے حاضر ہوئے، سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم طویل سفر کی تکان اور تعب کے باوجود ہر ایک کے ساتھ محبت اور شفقت سے ملاقات کرتے۔

قبا میں قیام کے دوران نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد تعمیر فرمائی اور صحابہ کرام نے مسجد کی تعمیر میں جوق در جوق حصہ لیا، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھاری پتھر اٹھائے، یہ اسلام میں پہلی عبادت گاہ تعمیر ہو رہی تھی، کیا خوش نصیب تھے وہ لوگ جو سرورکائنات کے ساتھ اس تعمیر میں شریک تھے۔

آمد مدینہ کا ایک قابل دید منظر

قبا کو شرف قیام بخشنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی منزل مقصود کی جانب روانہ ہوتے ہیں، ادھر آفتاب رسالت اپنے حسن وجمال کی شعاعیں بکھیرتا آرہا ہے، ادھر ہادی برحق کی آمد کی خبر پر انصار کا جوش وخروش دیدنی ہے، بچے بوڑھے جوان، عورتیں بھی فرط عقیدت سے جھوم رہے ہیں خاک مدینہ کے ذرّے مقصود کائنات کے پائے اقدس کو چومنے کے لئے بے قرار ہیں، معصوم بچے جاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعرے مدینہ کی گلیوں میں بلند کر رہے ہیں خواتین مکانوں کی چھتوں پر کھڑی محسن انسانیت کے دیدار کے لئے سراپا انتظار میں سرکار دو عالم مدینہ میں قدم رنجہ فرما ہوئے ہیں، نعرۂ تکبیر اللہ اکبر سے فضا گونج اٹھتی ہے، رسالت مآب کی سواری مدینہ کی جس گلی میں داخل ہوئی ہے دختران انصار کے لبوں پر ترانہ مسرت بلند ہوتا ہے

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا — مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا — مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ
اَيُّهَا الْمَبْعُوثُ فِيْنَا — جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ

"ہم پر چودھویں کا چاند کوہ وداع کی گھاٹیوں سے طلوع ہوا ہم پر خدا کا شکر واجب ہے جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں، اے ہم میں مبعوث ہونے والے آپ ایسے امر کے ساتھ آئے جس کی اطاعت ہم پر فرض ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ میں نے اس دن سے زیادہ مبارک و مسعود دن نہیں دیکھا جس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں جلوہ افروز ہوئے اس دن مدینہ کے درو دیوار طلعت اقدس سے جگمگا اٹھے، مدینہ طیبہ کے ہر شخص کی تمنا ہے کہ سرکار دو جہاں کے قیام وضیافت کی دولت عظمیٰ مجھے نصیب ہو جائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دیوانوں کی وارفتگی اور شیفتگی کا حیرت انگیز منظر دیکھا تو کسی کی دل شکنی مناسب نہ سمجھی، ارشاد فرمایا:

"ہجرت بھی اللہ کے حکم سے تھی قیام بھی اسی کے حکم سے ہوگا، جہاں میری اونٹنی بیٹھے گی وہی میری منزل ہوگی"

آپؐ نے اپنی اونٹنی جس کا نام قصویٰ تھا کی مہاریں چھوڑ دیں اور حکم خداوندی کا انتظار فرمانے لگے کہ دیکھیں

فال قسمت کس کے نام نکلتا ہے،
کونین کی دولت کس کے حصہ میں آتی ہے،
خزانہ رحمت کسے عطا ہوتا ہے،
یہ برکت وسعادت کا پیکر کسے نصیب ہوتا ہے،

مدینہ کا ہر شخص خدا کے حضور ہاتھ اٹھائے، جھولی پھیلائے لطف وکرم کے پیکر جمیل کا طلب گار اور آرزومند تھا۔

فال قسمت

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی چلتے چلتے بنونجار کے محلہ میں پہنچی اور اس جگہ بیٹھ گئی جہاں بعد میں مسجد نبوی کا دروازہ بنا اس سرزمین کے ذرّے روشن ہو گئے اونٹنی پاؤں جما کر بیٹھ گئی، لوگوں نے اونٹنی کو اٹھانے کی کوشش کی تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے مت اٹھاؤ، اسے بٹھانے والے نے بٹھایا ہے، میری منزل مقصود یہی ہے اس جگہ کے سامنے حضرت ابوایوب انصاریؓ کا گھر تھا وہ فرط مسرت میں بے خود ہو گئے، دوڑتے ہوئے آگے بڑھے اہلاً وسہلاً کہا، اور اجازت طلب کر کے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سامان اونٹنی سے اتار کر گھر لے گئے، پیکر رحمت شہنشاہ دو عالم نے حضرت ابوایوب انصاریؓ کی دہلیز پر قدم رکھا، تو اس مٹی کے ذروں پر کہکشاں بھی ناز کرنے لگی، فلک نے رشک بھری نگاہوں سے دیکھا:

فلک نے رشک سے دیکھا اس انصاری کی قسمت کو
اب ایوب گھر میں لے گئے سامان رحمت کو

ایک روایت یہ بھی ہے کہ اونٹنی کے بیٹھتے ہی حضرت ابوایوب انصاریؓ نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا پر جوش استقبال کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کجاوہ فوراً گھر میں لے گئے، دوسرے انصار نے وہاں لیجانا چاہا تو آپؐ نے فرمایا کہ آدمی وہیں قیام کرتا ہے جہاں اس کا کجاوہ ہو چنانچہ سب لوگ خاموش ہو گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر رونق افروز ہو گئے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ اونٹنی کے بیٹھ جانے کے بعد قرعہ فال ڈالا گیا تو حضرت ابوایوب انصاریؓ کا گھر نکلا، علماء نے لکھا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا طبعی رجحان بھی بنونجار کی طرف تھا، جو آپؐ کے دادا حضرت عبدالمطلب کے ماموں تھے، اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر آپ کی خواہش کو پورا فرمایا۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ کا مکان دو منزلہ تھا، حضرت ابوایوب انصاریؓ نے

اصرار کیا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بالا خانہ میں جلوہ افروز ہو جائیں اور ہم پچھلی منزل میں آپ ؐ کے قدموں کے سائے میں فخر محسوس کریں گے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس لوگوں کی آمد ورفت رہے گی اسلئے نچلی منزل ہی میرے لئے مناسب اور موزوں ہے بادل نخواستہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کی زوجہ محترمہ بالا خانہ میں منتقل ہو گئیں جبکہ نچلی منزل سرور کائنات کے جلوؤں کی آماجگاہ بن گئی۔

عقیدت واحترام

حضرت ابوایوب انصاریؓ اور ان کی اہلیہ کا سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت واحترام کا یہ عالم تھا کہ انہیں ہر وقت یہ خیال پریشان کرتا رہتا تھا کہ سرور کونین تو نیچے قیام پذیر ہیں اور ان کے ادنیٰ غلام بالائی منزل پر انہیں ہر لمحہ گستاخی اور بے ادبی کی فکر دامنگیر رہتی، دونوں میاں بیوی اس قدر احتیاط برتتے کہ ان کے قدموں کی چاپ بھی سنائی نہ دیتی۔

ایک دن کا واقعہ ہے:

سردی کی ایک تاریک رات ہے اچانک پانی والا گھڑا ٹوٹ گیا، میاں بیوی اس خیال سے مضطرب ہو گئے کہ اگر پانی چھت سے ٹپک کے نیچے پہنچ گیا تو سرور دو جہاں کو تکلیف ہوگی گھر میں اوڑھنے کے لئے ایک ہی لحاف تھا حضرت ابوایوب انصاریؓ نے جلدی سے وہی لحاف پھٹے ہوئے پانی پر ڈال دیا تا کہ اس کی روئی پانی کو جذب کرلے، یہ تسلی کر کے کہ پانی کا کوئی قطرہ چھت سے نیچے نہیں گیا، میاں بیوی نے اطمینان کا سانس لیا، اور خدا کا شکر ادا کیا اور دونوں میاں بیوی نے ساری رات ایک کونے میں دبک کر گزار دی کیونکہ گھر میں اس کے علاوہ کوئی اور کپڑا موجود نہیں تھا

امام الانبیاء کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو میزبان کی دلجوئی کے لئے مکان کی بالائی منزل میں منتقل ہو گئے، آپ نے تقریباً سات مہینے حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر میں قیام فرمایا، اس عرصہ میں دونوں نے خدمت رسالت کے ریکارڈ توڑ دئے

آپؐ سے جو کھانا بچ جاتا مبارک انگلیوں کے نشان تلاش کر کے اس پاکیزہ تبرک کو کھا لیتے۔

ایک دفعہ کھانا جوں کا توں واپس آ گیا حضرت ابوایوب انصاریؓ تڑپ اٹھے کہ نہ جانے کیا خطا سرزد ہو گئی، جس کی بناء پر سرورِ دو جہاں نے کھانا واپس فرما دیا۔ بارگاہِ رسالت میں نہایت بے تابی کے ساتھ حاضر ہوئے عرض کیا:

''میرے ماں باپ قربان! آج کھانا تناول نہیں فرمایا؟''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہاں آج کھانے میں لہسن تھا، لہسن مجھے مرغوب نہیں''۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ کا جذبہ عشق و محبت دیکھئے فرمایا:

''اگر یہ کھانا میرے محبوب کو پسند نہیں تو مجھے بھی پسند نہیں''۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ربیع الاول

ولادت نبوی اور سیرت طیبہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین امابعد! فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

بزرگان محترم! سرور کائنات ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا: انا دعوۃ ابی ابراھیم کہ "میں اپنے ابا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دعاؤں کا ثمرہ ہوں" حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعاء مستجاب کی تلاوت میں نے آپ حضرات کے سامنے کی ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے:

"اے ہمارے پروردگار ان لوگوں میں ایک ایسا رسول مبعوث فرما جو انہیں میں سے ہو، وہ سول تیری آیتیں ان کے سامنے تلاوت کرے، اور ان کو کتاب اور دانائی کی باتیں سکھائے اور ان کو پاک وصاف کرے، بے شک تو بڑا زبردست اور بڑی حکمت والا ہے"۔

حضرات! اسلامی مہینوں کے اعتبار سے یہ ربیع الاول کا مہینہ کہلاتا ہے اس مہینہ کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اس میں فخر رسل، محسن انسانیت، رحمت للعالمین، شفیع المذنبین، محبوب رب العالمین، سرور کونین، سردار دو جہاں شہنشاہ شہنشاہان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تولد پذیر ہوئے، "ربیع" عربی زبان میں موسم بہار کو کہتے ہیں آج سے

چودہ سو برس پہلے عرب کی ویران وادی میں بہار آئی تھی، بی بی آمنہ کے آنگن میں ایک صدا بہار پھول کھلا تھا، جس کی مہک اور خوشبو سے ساری کائنات معطر ہوگئی، دلوں کے خلوت کدے روشن ہو گئے، تھکی ماندی انسانیت کو شادمانی نصیب ہوئی، نسل آدم کا وقار بلند ہوا، شرف انسانی کو سربلندی ملی، ذروں کو آفتاب کی چمک ملی، یہ آنے والی بہار اور اس میں کھلنے والا پھول حسن ازل کی تجلی خاص اور جان کائنات فخر موجودات کی ذات اقدس تھی۔

مبارک ہو کہ ختم المرسلین تشریف لے آئے
جناب رحمۃ للعالمین تشریف لے آئے

حضرت آمنہؓ سرکار دوعالم ﷺ کی والدہ محترمہ فرماتی ہیں کہ میں جب امید سے تھی اور شہنشاہ دوعالم میرے پیٹ میں مہمان بن کر آئے تو میں نے اپنے اندر عجیب وغریب تبدیلیاں اور حیرت انگیز کیفیات محسوس کیں، زچگی کے ایام میں عورتیں بالعموم جو بوجھ اور تکلیف محسوس کیا کرتی ہیں اس کا قطعاً مجھے احساس نہیں ہوا، اگر کوئی پتھر یا روڑہ میرے پاؤں کے نیچے آجاتا تو روئی کی طرح نرم ہو جاتا، دیہاتوں میں رواج ہے کہ عورتیں کنویں پر پانی لینے کے لئے جاتی ہیں، باری باری اپنا ڈول کنویں میں ڈالتی ہیں، اور پانی لیتی ہیں، حضرت آمنہؓ فرماتی ہیں کہ میں بھی اپنی سہیلیوں کے ساتھ کنویں پر پانی لینے جایا کرتی تھی، عورتیں اپنا اپنا ڈول ڈال کر پانی نکال لیتیں، جب میں کنویں میں ڈول ڈالتی تو پانی اٹھ کر کنویں کی منڈیر تک آجایا کرتا تھا۔

حضرت آمنہؓ فرماتی ہیں کہ ولادت سے پہلے مجھے عجیب وغریب خواب نظر آیا کرتے تھے، اکثر مجھے نور دکھائی دیتا، ایک روز میں نے اپنی سہیلیوں کو بتایا کہ جب سے یہ بچہ میرے پیٹ میں آیا ہے میں عجیب طرح کے خواب دیکھتی ہوں، عورتوں نے کہا کہ بہن ان ایام میں سائے کا اثر ہو جاتا ہے ہم تو ان ایام میں لوہے کا کڑا بنوا کر گلے میں پہن لیتی ہیں تم بھی ایسا ہی کرو، اس سے خواب نظر نہیں آئیں گے، فرمایا کہ میں نے ان کے کہنے پر اپنے گلے میں ایک لوہے کا کڑا بنوایا اور اپنے گلے میں ڈال لیا،

پہلی ہی رات میں ایک بزرگ ہستی، نورانی چہرہ، سبز عمامہ، سفید ریش، اور خوبصورت وحسین خواب میں نظر آئی، میرے قریب آکر انہوں نے اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ فرمایا اشارہ کرتے ہی میرے گلے کا کڑا ٹوٹ کر زمین پر گر گیا میں نے پریشانی کے عالم میں پوچھا بابا تم کون ہو؟ اور تم نے یہ کیا ظلم کیا؟ فرمایا بیٹی میں ابراہیم خلیل اللہ ہوں میں تمہیں بشارت دینے آیا ہوں کہ تمہارے پیٹ میں کوئی معمولی بچہ نہیں، بلکہ نبیوں کا سردار ہے، ہماری غیرت نے گوارہ نہیں کیا کہ ہماری بیٹی بھی توہم پرستی کا شکار ہو جائے، بیٹی تیرے بطن میں وہ مقدس ہستی ہے جو شرک وبدعت، فسق وفجور توہم پرستی وجہالت اور ظلم وستم کے کڑے توڑے گی، یہ جب دنیا میں آئیں گے تو حق کا بول بالا ہوگا، حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ ایام حمل میں مجھ سے خوشبو آیا کرتی تھی، مکہ کی عورتوں میں یہ بات عام ہوگئی کہ سردار مکہ عبدالمطلب کی بہو نہایت قیمتی عطر استعمال کرتی ہے، جب یہ بات حضرت عبدالمطلب تک پہنچی تو آپ نے اپنی اہلیہ اور سرور کائنات ﷺ کی دادی سے کہا کہ آمنہ تمہاری بھی بہو ہے تم اسے سمجھاؤ کہ ان ایام میں جبکہ وہ بیوہ بھی ہے عطریات اور خوشبو استعمال نہ کرے، آنحضرت ﷺ کی دادی نے کہا کہ میں نے کئی دفع سوچا کہ آمنہ کو بلا کر پوچھوں لیکن آج کل اس کی شخصیت میں ایسا رعب اور جلال ہے کہ مجھے اس سے بات پوچھنے کی ہمت نہیں ہوتی، ایک روز حضرت عبدالمطلب نے اپنی بہو کو بڑے پیار سے اپنے پاس بلایا اور پوچھا کہ بیٹی تمہیں اتنی مسحور کن خوشبو کون لا کر دیتا ہے؟ حضرت آمنہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے، فرمایا کہ میں نے تو آج تک بازار ہی نہیں دیکھا، پھر میں بھلا بیوہ ہوتے ہوئے عطر کیوں استعمال کروں گی؟ آپ خوشبو کی بات کرتے ہیں، ان دنوں جو کچھ میں دیکھتی ہوں اگر آپ کے سامنے بیان کروں تو آپ مجھے پاگل اور دیوانی قرار دیں گے۔

میں دھوپ میں چلتی ہوں تو بادل مجھ پر سایہ کرتے ہیں۔
پہاڑوں کے پاس جاتی ہوں تو وہ مجھ سے ہم کلام ہوتے ہیں۔
دیواروں کے پاس سے گزرتی ہوں تو وہ مجھ سے باتیں کرتی ہیں۔

درختوں کے پاس سے گزرتی ہوں تو شاخیں جھک کر تعظیم کرتی ہیں۔
چاند پر نظر ڈالتی ہوں تو وہ آداب بجالاتا ہے۔
بیت اللہ کے پاس جاتی ہوں تو وہ مجھے خوشخبری سناتا ہے۔
انتہا، یہ کہ جوں جوں میرے سہاگ کی نشانی کی ولادت کے دن قریب آرہے ہیں میں جہاں تھوکتی ہوں وہاں سے بھی خوشبو کی مہک آتی ہے۔

ولادت باسعادت

سرورِ کائنات ﷺ کی تاریخ پیدائش کے سلسلہ میں علماء کے تین قول ہیں، بعض نے آٹھ، بعض نے نو، اور بعض نے بارہ ربیع الاول تاریخ ولادت بیان فرمائی ہے مگر محقق علماء کا اتفاق ۱۲ ربیع الاول پر ہی ہے، آپ کی ولادت باسعادت پیر کے دن صبح کے وقت ہوئی، حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ جب ولادت کا وقت قریب آیا تو میرے پاس دو عورتیں آئی، اس وقت حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت عثمان بن ابی العاص کی والدہ موجود تھیں، کیا دیکھتی ہوں کہ دراز قامت عورتیں میرے حجرے میں داخل ہوئیں، پوچھنے پر ایک نے اپنا نام آسیہ اور دوسری نے مریم بتایا ان کے ساتھ باقی جنت کی حوریں تھیں یہ درحقیقت سرورِ کائنات کی ولادت کے لئے اور حضرت آمنہ کی خدمت کے لئے اعلیٰ اور پاکیزہ عملہ مقرر فرمایا جس عملہ کی سربراہ حضرت مریم اور حضرت آسیہ مقرر ہوئیں، حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ ایک روز میرے کمرے کے چراغ میں تیل ختم ہوگیا، اور وہ بجھ گیا، ولادت کا مرحلہ شروع ہوا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی والدہ کو روشنی کی ضرورت پڑی، حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ جب سرکارِ دوعالم کی ولادت باسعادت ہوئی تو کمرہ اس طرح روشن اور منور ہوگیا کہ چراغ کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ ولادت کے بعد میں نے اپنے بیٹے کو دیکھنا چاہا جیسا کہ ہر عورت کی تمنا ہوتی ہے تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ میرا لختِ جگر اور نورِ نظر

سجدہ کی حالت میں پڑا تھا، سرور کائنات نے پہلے ہی دن عالم انسانیت کو یہ سبق دیا کہ سب سے بڑی ذات حق تعالیٰ کی ہے وہی مالک ہے وہی بندگی کے لائق ہے اور اسی کے سامنے بندے کا سر جھکنا چاہئے۔

ایک عظیم الشان دن

سرور کائنات ﷺ کی پیدائش کا دن بڑا تاریخی اور باعظمت دن تھا اس دن ایوان کسریٰ میں زلزلہ آ گیا، جس سے اس کے محل کے چودہ کنگرے گر گئے، آتشکدہ فارس جو ہزاروں سال سے روشن تھا، اچانک بجھ گیا، نہر ساوہ خشک ہو گئی باطل کا نمرود خاک میں مل گیا، صنم کدوں کے بت سرنگوں ہو گئے، نور نبوت سے اندھیرا بھاگنے لگا، آفتاب نبوت کی درخشندہ کرنوں سے کائنات منور ہو گئی، ذرہ ذرہ روشن ہو گیا، خزاں رسیدہ چمن میں بہار آ گئی، پرندے تہنیت کے گیت گانے لگے، ستارے سلامی دینے لگے، قدسیوں نے ترانۂ مسرت پڑھا، حور و غلمان نے درود و سلام کے پھول پیش کئے سیدہ آمنہ کا کاشانہ نور سے منور ہو گیا، فاطمہ بنت عبداللہ جو دائی کا فریضہ انجام دے رہی تھیں، فرماتی ہیں کہ آپ کی ولادت کے وقت سارا گھر روشن ہو گیا، ستارے اس طرح جھکے کہ مجھے اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں یہ مجھ پر گر نہ پڑیں حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ ولادت کے وقت میں نے ایسا نور دیکھا جس سے بصرہ اور شام کے محل روشن ہو گئے۔

لفظ محمدؐ کی جامعیت

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ملا علی قاریؒ نے تحریر فرمایا "الاسماء تنزل من السماء" کہ نام آسمانوں سے اترتے ہیں، حضرت عبدالمطلب کا اپنے تمام بیٹوں میں صرف آپ کے والد ماجد کا نام عبداللہ تجویز کرنا اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب تھا، یہ القاء ربانی تھا، اسی طرح نبی کریم کا اسم گرامی "محمد" اور "احمد" رکھنا بھی بلاشبہ الہام ربانی تھا، جیسا کہ شارح مسلم امام نوویؒ نے ابن فارسؒ سے نقل کیا ہے اور

یہی دو نام اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذکر فرمائے ہیں ایک موقع پر ارشاد ہے، محمد رسول الله والذین معه اشداء علی الکفار الخ ایک دوسرے موقع پر فرمایا "ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمه احمد"

"محمد" کا اصل مادہ حمد ہے، حمد کے معنی تعریف کرنے کے آتے ہیں کسی کے اوصاف حمیدہ محاسن وکمالات اور مناقب وفضائل کو محبت اور عقیدت کے ساتھ بیان کرنا حمد کہلاتا ہے، لفظ محمد جو تحمید کا اسم مفعول ہے اس کے معنی بزرگوں نے یہ بیان فرمائے ہیں، کہ وہ ذات اقدس کہ جس کے حقیقی فضائل وخصائل کو بکثرت اور بار بار بیان کیا جائے، پس محمد ﷺ ہی وہ ذات گرامی ہے جن کی سب سے زیادہ تعریف کی گئی ہے، امام بخاری نے تاریخ صغیر میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابو طالب یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

وَشَقَّ لَهُ مِنْ اِسْمِهِ لِيُجِلَّهُ
فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُودٌ وَهٰذَا مُحَمَّدٌ

خداوند تعالیٰ نے آپ کی عزت افزائی کے لئے اپنے نام سے آپ کا نام مبارک نکالا پس عرش والا محمود اور آپ محمد ہیں لغت کی مشہور کتاب القاموس میں لکھا ہے، ھو الذی یحمد مرۃ بعد مرۃ یعنی محمد وہ ہے جس کی بار بار تعریف کی جائے اور کبھی ختم نہ ہو۔

لغت کی ایک دوسری کتاب "منتہی الادب" میں محمد کے معنی حق ادا کرنے کے بھی لکھے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ نام محمد میں ختم نبوت کا تصور بھی موجود ہے، حضرت جبیر بن مطعمؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پانچ نام ہیں (۱) میں محمد ہوں (۲) میں احمد ہوں (۳) میں ماحی (کفر کو مٹانے والا) ہوں (۴) میں حاشر ہوں یعنی لوگوں کا حشر میرے قدموں پر ہوگا (۵) میں عاقب ہوں یعنی تمام انبیاء کے بعد آنے والا ہوں، بخاری اور ترمذی میں یہ الفاظ ہیں: انا العاقب الذی لیس بعدی نبی یعنی جس پر اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے سلسلہ کو ختم فرمایا، قاضی

عیاضؒ شفا میں اور حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں حافظ سید الناسؒ عیون الاثر سے نقل فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عرب وعجم کے دلوں اور زبانوں پر ایسی مہر لگادی کہ کسی کو محمد اور احمد نام رکھنے کا خیال تک نہیں آیا، اسی پر تو قریش مکہ نے متعجب ہوکر سردار مکہ حضرت عبدالمطلب سے سوال کیا تھا کہ یہ منفرد نام آپ نے کیوں منتخب کیا ہے؟ لیکن جب آپ کے ظہور قدسی کا وقت قریب آیا تو علماء بنی اسرائیل کے علاوہ کاہنوں اور نجومیوں نے اس نام کو بہت مشہور کردیا بعض لوگوں نے اسی امید پر اپنے بیٹوں کے نام محمد اور احمد رکھنے شروع کردیے لیکن بعض روایات میں ان ناموں کی تعداد چھ یا سات سے زیادہ نہیں ملتی مگر حکمت خداوندی دیکھئے کہ حق تعالیٰ نے اسم محمد کی حفاظت اس طرح فرمائی کہ ان میں سے کسی نے دعویٰ نبوت نہیں کیا۔

دائی حلیمہ کی قسمت

عرب کے دستور کے مطابق شرفاء عرب اپنے نومولود بچوں کو دیہات میں بھیج دیتے تھے تاکہ وہ کھلی فضا میں نشو ونما کے علاوہ عرب کی فطری خصوصیات سے مالا مال ہوسکیں خاص طور پر ان میں فصاحت وبلاغت اور شجاعت پیدا ہو، چنانچہ قبائل عرب سے سال میں دو مرتبہ عورتیں مکہ آتیں اور کھاتے پیتے گھرانوں سے بچوں کو لیجاتیں، عرب کے اس دستور کے مطابق شیر خوار بچے شہر سے لینے کے لئے عورتوں کا ایک قافلہ روانہ ہوا، ان میں ایک خوش نصیب خاتون دائی حلیمہ بھی تھیں، وہ فرماتی ہیں کہ میں اپنے شوہر حارث کے ہمراہ روانہ ہوئی میری اونٹنی کمزور اور مریل تھی، جبکہ ایک لاغر گدھی بھی ہمارے ساتھ تھی، اونٹنی ایک قطرہ تک دودھ نہ دیتی تھی، ہم بھوک کی وجہ سے رات بھر نہ سو پاتے، حضرت حلیمہؓ فرماتی ہیں کہ میری چھاتی میں اتنا دودھ نہ تھا کہ بچہ سیر ہوسکتا، یہی وجہ تھی کہ بچہ ساری رات بلبلاتا، سرکار دو عالم ﷺ کو تمام عورتوں نے دیکھا لیکن یتیم ہونے کی بنا پر قبول نہیں کیا کہ اس سے کیا ملے گا، لوگ ان دودھ پلانے والی عورتوں کو کوستے ہیں کہ انہوں نے سرکار دو عالم ﷺ کو قبول نہیں کیا آج تاریخ میں

ان عورتوں کا کوئی نام نہیں، اگر ان عورتوں میں کسی کا نام زندہ اور پائندہ ہے تو صرف اس کا جس کے حصے میں دونوں جہاں کی یہ دولت آئی، حضرت حلیمہ سعدیہ مکہ دیر سے پہنچیں تمام عورتوں نے کھاتے پیتے گھرانوں کے بچے لے لئے، صرف ایک ہی بچہ گیا تھا وہ تھا حضرت آمنہ کا دریتیم، حضرت حلیمہؓ نے اپنے شوہر سے مشورہ کیا خالی ہاتھ جانا مناسب نہیں کیوں نہ اس یتیم بچے کو لے چلیں، شاید اللہ اسی کی بدولت خیر و برکت دے، یہ فیصلہ کر کے حضرت حلیمہؓ در مصطفیٰ ﷺ پر پہنچیں، حضرت حلیمہ سعدیہؓ نے حضرت آمنہؓ سے پوچھا، بچہ ہے؟ حضرت آمنہؓ کی آنکھوں میں آنسو آگئے کاش اس کا باپ زندہ ہوتا، فرمایا بچہ تو ہے لیکن تم لوگی نہیں، حضرت حلیمہؓ نے پوچھا کیوں؟ فرمایا بچہ یتیم ہے اور کئی عورتیں چھوڑ گئیں ہیں، حضرت حلیمہؓ نے کہا کہ میں اس یتیم ہی کو لینے آئی ہوں ذرا بچہ تو دکھاؤ حضرت حلیمہ شہادت دیتی ہیں کہ جس کمرے میں سرکار دو عالم تھے جب میں اس میں داخل ہوئی تو خوشبو کا ایک ایسا جھونکا آیا کہ مجھے محسوس ہوا کہ جیسے جنت کے دروازے کھل گئے ہیں، نبی اکرم ﷺ سفید کپڑے میں لپٹے ہوئے تھے، حضرت حلیمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے اتنا حسین و جمیل بچہ آج تک نہیں دیکھا تھا، میں نے آمنہ سے کہا بہن میں نے ایسی خوبصورت اور دلکش صورت پوری زندگی میں نہیں دیکھی، خدا تعالیٰ نے فرمایا تم نے ایسا حسین پہلے دیکھا نہیں میں نے ایسا شاہکار بنایا ہی نہیں، میں نے یہ سانچہ ہی توڑ ڈالا ہے جس میں اس صورت کو ڈھالا تھا، حضرت حلیمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے سینے پر ہاتھ پھیرا آپ نے بند آنکھیں تبسم کے ساتھ کھول لیں، پھر کیا تھا کہ حضرت حلیمہؓ کی قسمت کے دریچے کھل گئے، حضرت حلیمہؓ فرماتی ہیں کہ جوں ہی میں نے آپ کو چھاتی سے لگایا میری سوکھی چھاتیوں میں دودھ اتر آیا آپ نے میری دائیں چھاتی سے دودھ پیا، جب میں نے آقائے نامدار ﷺ کو بائیں طرف کیا تو آپ ﷺ نے میری کوشش کے باوجود دودھ نہیں پیا، سرکار دو عالم ﷺ جب تک حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے پاس رہے ایک طرف سے ہی دودھ پیا کرتے تھے، حضرت حلیمہؓ کہتی ہیں کہ میں بہت حیران تھی کہ یہ بچہ آخر ایک طرف ہی دودھ

ہے؟ اس کے بعد آپ کی برکات دیکھ کر یہ محسوس ہوا کہ یہ غیر معمولی بچہ ہے، نے علم دے رکھا ہے کہ تیرے علاوہ تیرا رضاعی بھائی بھی دودھ پینے والا طرح نبی کریم ﷺ نے پہلے ہی دن سے عدل کی روایت قائم کردی تاکہ آپ کے عدل وانصاف کے ڈنکے بجتے رہیں۔

حضرت حلیمہؓ حضرت آمنہؓ کے لخت جگر کو لیکر اپنے خیمہ میں آگئیں، شام کو شوہر حارث اپنی اونٹنی کا دودھ دوہنے کے لئے اٹھے یہ دیکھ کر ان کی خوشی کی رہی کہ اونٹنی کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے تھے حارث کی خوشی کی انتہا نہ نہوں نے پکار کر کہا: حلیمہ ہمارے دن پھر گئے ہماری قسمت جاگ اٹھی یہ بچہ تو رکتوں اور سعادتوں والا نکلا، حضرت حلیمہؓ اور ان کے شوہر کہتے ہیں کہ ہم سب یر ہوکر دودھ پیا آج ہماری زندگی کی پہلی رات تھی جو ہم نے سوکر گذاری، ہمارا ساری ساری رات ہمیں جگایا کرتا تھا آج وہ بھی پرسکون تھا، کتنی خوش نصیب ، دائی حلیمہ جن کی جھولی میں دوجہاں کی دولت آگئی سیدہ حلیمہؓ کی زندگی میں ب آگیا، ویران زندگی میں بہار آگئی کیونکہ حضرت حلیمہؓ کی جھولی میں جان بہار ی، تین دن کے قیام کے بعد حضرت حلیمہؓ رحمۃ للعالمین کو لیکر اپنے گھر روانہ ہوئیں،

روایت ہے کہ اونٹنی پر حضرت حلیمہؓ اور ان کے شوہر سوار ہوئے، درمیان میں نبی ریم ﷺ کو بٹھایا گیا لیکن اونٹنی بہت کوشش کے باوجود بھی نہیں اٹھی، حضرت حلیمہؓ نے دیکھا تو بولیں کہ حارث ہماری گود میں جو بچہ ہے یہ اتنا عظیم اور جلیل القدر ہے کہ درت کو ہمارا یہ فعل پسند نہیں آیا کہ ہم نے اس کو درمیان میں بٹھا رکھا ہے، کیونکہ ان ی طرف تمہاری پشت ہورہی ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ کو حارث نے آگے بٹھایا، اب ونٹنی فوراً کھڑی ہوگئی، ایک روایت کے مطابق حضرت حلیمہؓ کی سواری نے مکہ کی گلیوں کا چکر لگایا، جوں ہی اونٹنی کعبۃ اللہ کے سامنے پہنچی اس نے تین سجدے کئے، پھر آسمان کی طرف سر اٹھایا اور چل دی پہلے اونٹنی سست رفتار تھی اب بہترین رفتار ہوگئی، حضرت حلیمہ کی ہمجولیاں بچے لیکر بہت پہلے چل چکی تھیں، ان عورتوں نے اپنے پیچھے

تیز رفتار اونٹنی کی اڑتی ہوئی گرد دیکھی تو پریشان ہو گئیں، جب حضرت حلیمہ ان کے قریب پہنچیں تو عورتوں نے پوچھا حلیمہ کیا سواری بدل لی؟ فرمایا سواری نہیں بدلا ہے، یہ کونین کا ایسا شہ سوار تھا کہ جس سواری پر بیٹھا وہ سواری فضیلت پا گئی اور کی سواری پہلے چلنے والی سواریوں کو چھوڑ کر ان سے پہلے ہی منزل مقصود پر پہنچ گئی اور خشک سالی کی وجہ سے حلیمہؓ کا سارا علاقہ بنجر ہو گیا تھا، جانور لاغر اور کمزور ہو گئے اور اونٹنیوں کا دودھ خشک ہو چکا تھا، لیکن نبی آخر الزماں ﷺ کے وجود کی برکت سے حضرت حلیمہؓ کی زمینیں شاداب ہو گئیں، بارش اور پانی کے بغیر گھاس اگنے لگی، برکت رنگ دکھانے لگا، حضرت حلیمہؓ کی بکریاں شام کو گھر آتیں تو ان کے پیٹ بھرے ہوئے اور ان کے تھنوں سے دودھ ٹپکتا، لوگ یہ بھی دیکھ کر حلیمہ کی قسمت پر رشک کرنے لگے، اور اپنی بکریوں کے ریوڑ وہیں بھیجتے جہاں حلیمہ کی بکریاں چرتیں لیکن خدا کی شان وہ تمام کی تمام ویسی ہی واپس آ جاتیں جبکہ حلیمہ کی بکریاں سیر ہو کر واپس آتیں اور ان کے دودھ سے گھر کے سارے کے سارے برتن بھر جاتے۔

جسمانی نشوونما

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ رحمت دو عالم ﷺ کی نشوونما اس قدر تیزی سے ہوتی ہے کہ جب آپ ایک برس کے تھے تو دو برس کے معلوم ہونے لگے اور جب دو برس کے تھے تو جسمانی طور پر آپ چار سال کے معلوم ہوتے تھے، بعض علماء نے حضرت حلیمہؓ کے حوالہ سے روایت کیا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کی پرورش عام بچوں کے برعکس ہوئی، نبی کریم ﷺ تین ماہ میں بیٹھے، نو ماہ میں چلے، اور دس ماہ کی عمر میں بکریاں چرانے کی خواہش کا اظہار کیا، سوا سال کی عمر میں تیر اندازی کے مقابلہ میں حصہ لیا، اور ڈھائی برس کی عمر میں کشتی کے مقابلہ میں شریک ہوئے، آپ کی پاکیزگی اور طہارت کے سلسلہ میں حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ جب تک دو جہاں کا سردار یہ بچہ میرے پاس رہا کبھی کوئی نجاست جسم پر یا حضور اقدس ؐ کے جسم پر نہیں دیکھی گئی، رفع حاجت کے

لئے آپ کے اوقات متعین تھے، دوسرے بچوں کی طرح نہ روتے تھے، اور نہ ہی تنگ کرتے تھے بعض مفسرین نے روایت کیا ہے کہ اگر سرکار دو عالم ﷺ کا ستر کھل جاتا تو فرشتے ڈھانپ دیتے تھے، اور جب تک سرکار دو عالم ﷺ کا ستر کپڑے سے ڈھانپ نہ دیا جاتا آپ کو سکون نہیں ملتا تھا۔

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ جب بھی سرکار دو عالم ﷺ کے پیکر حسن و جمال چہرہ کو دھونے کے لئے پانی لیکر آتیں تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتیں کہ آپ ﷺ کا چہرہ اس طرح ہوتا گویا ابھی ابھی دھویا گیا ہے، رحمت دو عالم کا چہرہ انور پھول جیسا شگفتہ اور شبنم جیسا صاف ہوتا تھا۔

چچا کے ساتھ

سرکار دو عالم کی عمر مبارک جب بارہ برس کی ہوئی تو چچا ابو طالب قریش کے کاروان تجارت کے ساتھ شام جانے کی تیاریاں کرنے لگے، عین کوچ کے وقت جب ابو طالب نے اپنے بھتیجے کو غمگین اور اداس پایا تو ساتھ لے جانے کا فیصلہ کیا، یہ قافلہ شام کے شہر بصرہ میں اترا جو اس زمانہ کے اعتبار سے ایک اہم تجارتی منڈی تھا، قریشی قافلہ بحیرا نامی راہب کی خانقاہ کے قریب خیمہ زن ہوا، یہ راہب ایک درویش صفت انسان تھا، جو دنیا و مافیہا سے بے خبر رہتا تھا، تجارتی قافلے آتے، یہاں ٹھہرتے اور چلے جاتے لیکن یہ راہب دنیاوی سرگرمیوں سے بے نیاز رہتا، اس نے ایک روز قریشی قافلہ کو کھانے کی دعوت کے لئے پیغام بھیجا لوگ سخت حیران ہوئے کہ راہب کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا، قریشی کئی دفعہ پہلے بھی یہاں ٹھہرتے رہے ہیں، لیکن راہب کی طرف سے کبھی ان کی پذیرائی نہیں ہوئی تھی، جب قریش اس راہب کی خانقاہ کے قریب پہنچے تو اس نے پوچھا کہ قافلہ میں سے کوئی فرد رہ تو نہیں گیا ہے، اس کو بتایا گیا کہ ایک بچہ قافلہ کے سامان کی حفاظت کے لئے پیچھے رہ گیا ہے، بحیرا نے سنا تو اصرار کیا کہ اس بچہ کو ضرور اس دعوت میں شریک کیا جائے، کیونکہ دعوت تو اسی کے

اکرام میں دی جارہی ہے، نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو راہب نبی کریم ﷺ کا بغور مشاہدہ کرنے لگا، اس نے ابوطالب سے سوال کیا کہ اس بچہ سے آپ کا رشتہ کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ یہ میرا بیٹا ہے، راہب نے کہا کہ میرے علم اور بصیرت کے مطابق یہ لڑکا آپ کا بیٹا نہیں ہوسکتا، کھانا ختم ہوا تو بحیرا نے نبی کریم ﷺ کو لات وعزیٰ کی قسم دے کر پوچھنا چاہا، جس پر فخر کائنات ﷺ نے فرمایا کہ مجھے لات وعزیٰ کی قسم نہ دیں مجھے ان سے سخت نفرت ہے، بحیرا نے ابوطالب کو بتایا کہ جب قریشی قافلہ اس شہر میں داخل ہورہا تھا میں اپنی خانقاہ میں اس قافلے کے آنے کا نظارہ کررہا تھا، میں نے دیکھا کہ اس لڑکے پر بادل کا ایک ٹکڑا سایہ کئے ہوئے ساتھ ساتھ آرہا تھا، بعد ازاں یہ قافلہ سامنے درخت کے نیچے خیمہ زن ہوا اور تمام لوگ درخت کی گھنی چھاؤں میں بیٹھ گئے، جبکہ یہ لڑکا جگہ نہ ملنے کے سبب دھوپ میں بیٹھ گیا تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ اس درخت کی شاخیں اس پر جھک کر سایہ کرنے لگیں، ایک روایت یہ بھی ہے کہ راہب نے ابوطالب کو بتایا کہ جب آپ کا تجارتی قافلہ بصرہ میں داخل ہوا تو اس لڑکے کو دیکھ کر شجر وحجر سجدہ ریز ہورہے تھے۔

خلق عظیم

نبی کریم ﷺ اپنی شان اور مرتبہ ومقام کے لحاظ سے تمام انبیاء سابقین میں ممتاز ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں آپ کو خلق عظیم کا مظہر قرار دیا، اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ "بلاشبہ آپ بڑے ہی صاحب اخلاق ہیں" خود نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ کہ میں محاسن اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں، ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: بُعِثْتُ لِاُکَمِّلَ مَحَاسِنَ الْاَفْعَالِ کہ مجھے اچھے کاموں کو مکمل کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔

حضرت سعد بن ہشامؓ نے ایک بار حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا کہ حضورؐ کے اخلاق کیسے تھے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا آپ نے قرآن نہیں پڑھا؟ حضرت

سعدؓ نے عرض کیا ہاں پڑھا ہے، یہ سن کر حضرت عائشہؓ نے فرمایا "کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن" کہ نبی کریم ﷺ کا خلق قرآن ہے، یعنی سراپا رشد و ہدایت، قرآن میں جس قدر محاسن افعال و محامد اخلاق موجود ہیں وہ سب سرور کائنات کی ذات میں بدرجہ اتم موجود تھے، حضرت عائشہؓ کا مطلب بھی یہی تھا کہ سارا قرآن آپ ﷺ کا اخلاق ہے۔

حضرات محترم! صاحب اخلاق ہونے کے لئے بہت سی خصوصیات اور نیک خصلتوں کی ضرورت ہے اخلاق کے معیار پر پورا اترنے کے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے، (۱) حلم (۲) سخاوت، ان خوبیوں کے بغیر اخلاق کی تکمیل نہیں ہو سکتی، مصیبت اور تکلیف میں خود پر قابو پانا اور متاثر نہ ہونے دینا صبر کہلاتا ہے، جبکہ غصہ وملال کو بردباری سے برداشت کرنا حلم کہلاتا ہے، اللہ رب العزت نے آنحضرت ﷺ کو منصب نبوت اور دعوت و تبلیغ کی مشق میں کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کرنے کے لئے صبر، حلم، اور عفو و درگذر کی دولت سے نوازتے ہیں، یہ تمام چیزیں آقائے نامدار ﷺ کو عطا کی گئیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو کبھی اپنی ذات کے لئے غصہ نہیں آیا اور نہ ہی آپ نے اپنے نفس کے لئے کسی سے بدلہ لیا۔

ایک مرتبہ ابوجہل محفل سجائے بیٹھا تھا، جناب رسالت مآب ﷺ ادھر آ نکلے، آپ ﷺ نے اپنے چچا کو اسلام کی دعوت دی لیکن ابوجہل بدتمیزی پر اتر آیا اس نے نہ صرف گالیاں دیں، بلکہ سرکار دو عالم ﷺ پر تشدد بھی کیا آپ ﷺ کا سر مبارک زخمی ہو گیا اور خون بہنے لگا، نبی کریم ﷺ کبیدہ خاطر ہو کر روتے ہوئے گھر واپس آئے، حضرت حمزہؓ کی خادمہ نے سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، اسی لئے سارا واقعہ حضرت حمزہؓ کی اہلیہ کو سنایا جب حضرت حمزہ ؓ گھر آئے تو نبی کریم ﷺ کی چچی نے حضرت حمزہ ؓ کو بتایا کہ آج ابوجہل نے ہمارے یتیم بھتیجے کے ساتھ اتنا ظلم کیا ہے کہ سن کر کلیجہ پھٹنے کو آتا ہے حضرت حمزہؓ نے کمان اٹھائی اور ابوجہل کی خبر لینے کو دوڑ پڑے، حرم پاک میں پہنچ کر حضرت حمزہؓ نے ابوجہل کی گردن پر کمان اس زور سے ماری کہ لہولہان کر دیا،

آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تو نے ہمارے مرحوم بھائی کے فرزند کو لاوارث سمجھا ہے خبردار حمزہ اس کا حمایتی ہے، ابوجہل سے انتقام لینے کے بعد حضرت حمزہ ؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچے دیکھا کہ آقائے نامدار کی غمگین آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے ہیں، چچا کو دیکھا تو اشکوں کے پیالے چھلک پڑے، فرمایا چچا دنیا میں آیا تو باپ کے سایہ سے محروم تھا، ابھی بچہ ہی تھا کہ ماں کی ممتا ساتھ چھوڑ گئی، جب سن شعور کو پہنچا تو دادا انتقال کر گئے، اب اپنی قوم دشمن ہو گئی ہے، کل تک پیار کرنے والے آج خون کے پیاسے ہو رہے ہیں، حضرت حمزہ ؓ بولے کہ بھتیجے غم نہ کر جس مردود ابوجہل نے آپ کا سر زخمی کیا تھا، میں ابھی اس کا سر پھوڑ کر آیا ہوں، اب تو خوش ہو جا میں نے بدلہ لیکر حساب برابر کر دیا ہے، سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا چچا میں آپ کے اس اقدام سے قطعاً خوش نہیں ہوں، حضرت حمزہؓ بولے کہ آپ کی خوشی کس بات میں ہے؟ سرور کائنات ﷺ بولے کہ میں اس دنیا میں سراپا رحمت و کرم بن کر آیا ہوں، انتقام لینے کے لئے نہیں آیا، میری خوشی اس میں ہے کہ آپ کفر و شرک کے اندھیروں سے نکل کر ایمان کے اجالے میں آجائیں، میرے خون کا بدلہ کسی سے نہ لیجئے، بلکہ اس کے بدلہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی دولت سے سرفراز ہوتے، نبی کریم ﷺ کے سچے جذبات دیکھ کر حضرت حمزہؓ نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔

نبی کریم ﷺ کا اخلاق کتنا عظیم تھا کہ اپنی تکلیف کے بدلہ دشمن کی تکلیف کو پسند نہ فرمایا، البتہ اس بات کو اولیت دی کہ کسی کی آخرت سنور جائے، اور وہ جنت کا حقدار ٹھہرے، ادھر ابوجہل نے سرور کائنات ﷺ کا عرصہ حیات تنگ رکھنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا، آقائے نامدار ﷺ کی مقبولیت اور اسلام کی حقانیت اسے ہر وقت پریشان رکھتی، ایک بار ابوجہل نے فخر دو عالم ﷺ کو ختم کرنے کی نعوذ باللہ ایک تدبیر سوچی، اس نے ایک گہرا کنواں کھودا، اس کے منہ پر کھجور کی ٹہنیاں رکھ دیں، پھر اوپر مٹی ڈال کر زمین کے برابر کر دیا خود بیمار بن بیٹھا تا کہ رسول اکرم ﷺ جب اس کی عیادت کے لئے آئیں تو اس گڑھے میں گر جائیں العوذ باللہ کیونکہ ابوجہل کو نبی کریم

ﷺ کے مکارم اخلاق کا بخوبی علم تھا کہ اس کی عیادت کے لئے ضرور تشریف لائیں گے، چنانچہ جب سرور کائنات ﷺ اپنے چچا کی تیمارداری کے لئے اس کنویں کے قریب پہنچے حضرت جبرئیل تشریف لائے اور سرور کائنات ﷺ کو حقیقت حال سے آگاہ کیا اور آگے جانے سے منع کر دیا جب آپ واپس ہوئے تو ابوجہل کو افسوس ہوا کہ شکار ہاتھ سے نکل گیا چنانچہ وہ گھبراہٹ میں نبی کریم ﷺ کو بلانے کے لئے دوڑا اور جلدی کی وجہ سے اپنے ہاتھ سے کھودے ہوئے کنویں میں خود گر گیا، ابوجہل کے حواریوں نے اسے نکالنے کے لئے کئی جتن کئے لیکن ناکام رہے، خدا کی شان کہ اسے نکالنے کے لئے کنویں میں جو رسی ڈالی جاتی تھی، وہ چھوٹی پڑ جاتی تھی، یا ٹوٹ جاتی تھی، ابوجہل مایوس ہوا تو اس کے دل نے گواہی دی کہ اس کنویں سے مجھے صرف محمد ﷺ ہی نکال سکتے ہیں ابوجہل پکا بے ایمان تھا، لیکن محسن انسانیت کے اخلاق اور حسن سلوک کا دل سے اعتراف کرتا تھا، چنانچہ نبی کریم ﷺ کے پاس پیغام بھیجا آپ فوراً تشریف لے آئے فرمایا چچا تمہاری ساری تدبیریں ناکام ہو گئیں، اگر میں تم کو اس کنویں سے باہر نکال دوں تو مجھ پر ایمان لے آؤ گے، ابوجہل نے کہا کہ ضرور آپ کا کلمہ پڑھ لوں گا، آپ میری مشکل آسان کر دیں، روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنا دست مبارک کنویں میں ڈالا جو ابوجہل کے ہاتھوں تک پہنچ گیا ابوجہل حیران رہ گیا، یہ تو معمولی کنواں تھا، اگر ابوجہل تحت الثریٰ کی پستیوں میں بھی ہوتا تو آپ کا دست نبوت وہاں بھی پہنچ جاتا، ابوجہل کو سرور کائنات نے باہر نکالا، فرمایا چچا جس طرح میں نے آپ کو اس کنویں سے باہر نکالا اسی طرح میں آپ کو فسق و فجور اور جہنم کے گڑھے سے بھی باہر نکالنا چاہتا ہوں، ایک خدا کی ذات پر ایمان لاکر دوزخ کی آگ سے بچ جاؤ، اور میری آغوش رسالت میں آجاؤ لیکن بدبخت بولا بھتیجے تیرے جادوگر ہونے میں پہلے شک تھا، اب یقین ہو گیا کہ تو بہت بڑا جادوگر ہے۔

حضرات! طائف کا واقعہ سیرت نبوی میں خصوصی اہمیت کا حامل ہے، جب نبی کریم اہل مکہ کے رویہ سے مایوس ہوئے تو آپ نے طائف کا قصد فرمایا تاکہ ان

کے قلوب کو ایمان سے منور کرسکیں، نبی کریمؐ کا غلام آپؐ کے ہمراہ ساتھ تھا آپ نے لوگوں کا ایک مجمع دیکھ کر انہیں اسلام کی دعوت دی، بت پرستی سے منع فرمایا، ایک خدا کی عبادت کا درس دیا بڑے سرداروں نے آپ کی بات کا برا مانا، اور جاہل غنڈوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا، چھوکروں نے پتھر مارنے شروع کر دیئے، سارا جسم زخموں سے چور ہو گیا، پنڈلیاں مبارک خون آلود ہو گئیں، نعلین مبارک خون سے بھر گئے، ظالموں نے پیچھا کیا، نبی کریمؐ زخموں سے نڈھال ہو کر گرتے بدبخت جبراً اٹھاتے اور پتھر مارتے، یہاں تک کہ سرورِ کائنات ﷺ نے مکہ کا رخ کیا، رحمت دو عالم ﷺ کا سارا لباس خون سے تر ہو گیا، ایذا رسانی کی انتہا ہو گئی، ظلم و ستم کا بازار گرم کرنے والوں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ رحمت عالم ﷺ کی تضحیک کرتے ہوئی شکاری کتے پیچھے چھوڑ دیئے، روایت ہے کہ جب کتوں نے رحمت دو عالم ﷺ کا چہرہ انور دیکھا تو فوراً واپس بھاگے اور ایسے گئے کہ پھر اس بستی میں کبھی نظر نہ آئے، سبحان اللہ بے زبان جانوروں نے نبی کریمؐ کا مرتبہ پہچان لیا، مگر اہل طائف نے انسان ہو کر نبی رحمت ﷺ کو نہیں جانا، اس سفر میں تکلیفوں اور اذیتوں کے باوجود ایک آدمی بھی ایمان نہ لایا، حزن و ملال اور رنج و غم کی ان کٹھن گھڑیوں میں بھی رحمۃ للعالمین مایوس نہیں ہوئے، بلکہ آپؐ کا قلب مبارک اللہ تعالیٰ کی محبت اور عظمت سے لبریز تھا، اس وقت آپ نے جو دعا مانگی اس کے الفاظ یہ ہیں: اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ اَشْکُوْا ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّۃَ حِیْلَتِیْ وَھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ اے اللہ میں اپنے ضعف، بے بسی اور لوگوں کی نظروں میں اپنی تحقیر اور بے سروسامانی کی تجھ سے فریاد کرتا ہوں، اور درماندہ اور ناتوانوں کے مالک تو ہی میرا رب ہے۔

طائف کے اس دردناک منظر کو حفیظ جالندھری نے شاہنامہ اسلام میں اس طرح بیان کیا ہے:

بڑے انبوہ در انبوہ پتھر لیکے دیوانے
لگے باران سنگ اس رحمت عالم پہ برسانے
وہ ابر لطف جس کے سایہ کو گلشن ترستے تھے
یہاں طائف میں اس کے جسم پر پتھر برستے تھے

وہ بازو جو غریبوں کو سہارا دیتے رہتے تھے
پیاپے آنے والے پتھروں کی چوٹ سہتے تھے
وہ سینہ جس کے اندر نور حق مستور رہتا تھا
وہی اب شق ہوا جاتا تھا اس سے خون بہتا تھا
فرشتے جس پہ آآکر جبین شوق رکھتے تھے
وہ پائے نازنین زخموں کی لذت آج چکھتے تھے
جگہ دیتے تھے جن کو حاملین عرش آنکھوں پر
وہ نعلین مبارک خاک وخوں میں بھر گئیں یکسر
بشر کی عیب پوشی کے لئے جس کو اتارا تھا
بشر کی چیرہ دستی سے وہ دامن پارہ پارہ تھا
زمین کا سینہ شق تھا اور فلک کا رنگ رخ فق تھا
کہ ساری عمر کا حاصل شکار جور ناحق تھا

سرورکائنات ﷺ طائف سے نکل کر ایک باغ میں پہنچے غلام سے فرمایا میرے جوتے اتار دو لیکن خیال رکھنا، میرے خون کا کوئی قطرہ زمین پر نہ گرنے پائے، کیونکہ جب نبی کا خون زمین پر گرتا ہے تو عرش الٰہی لرز جاتا ہے، اور پھر خدا کا عذاب آیا کرتا ہے، روایت ہے کہ حضرت جبرئیل آئے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے آپ کی پریشانی اور مصیبت کو دیکھا مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے، اگر آپ حکم دیں تو دو پہاڑوں کو ملا کر ان بدبختوں کو نیست ونابود کر دیا جائے، رحمۃ للعالمین نے فرمایا کہ جبرئیل رب العزت سے کہہ دیں کہ اگر تو میری خاطر انہیں تباہ و برباد کرسکتا ہے تو میری خاطر انہیں ہدایت بھی دے سکتا ہے۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ میری آزمائش بھری زندگی میں طائف کا دن مشکل ترین تھا واپسی پر سرکار دو عالمؐ نے فرمایا:

"میں ان لوگوں کی تباہی کے لئے کیوں دعا کروں اگر یہ لوگ خدا پر ایمان نہیں لائے تو کیا ہوا ان کی نسلیں ضرور اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لائیں گی"۔

ماہ ربیع الثانی

شق صدر

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین امابعد! فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَکَ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ

''کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کیا اور ہم نے آپ پر سے آپ کا وہ بوجھ اتار دیا جس نے آپ کی پیٹھ کو گراں بار کر رکھا تھا''

حضرات! ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ساتھ تشریف لے جا رہے تھے کسی صحابی نے آپ سے بچپن کے حالات سننے کی خواہش کا اظہار کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''میں نے اپنا شیر خوارگی کا زمانہ بنوسعد کے اندر گزارا ایک روز میں اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ بکریاں چرانے کے لئے وادی میں جا رہا تھا کہ انسانی شکل میں چند فرشتے جن کے ہاتھوں میں سونے کے تھال تھے اور ان میں برف تھی انہوں نے مجھے پکڑ کر لٹایا اور میرا سینہ چاک کر دیا میرے رضاعی بھائی نے یہ منظر دیکھا تو دوڑتا ہوا گھر پہنچا، حضرت حلیمہ سعدیہؓ کو بتایا کہ میرے قریشی بھائی کو چند آدمیوں نے زمین پر لٹا کر اس کا سینہ چاک کر دیا ہے، حضرت حلیمہؓ نے سنا تو دوڑتی ہوئی اس جگہ پہنچیں، میں وہاں سہما ہوا کھڑا تھا، بی بی حلیمہؓ نے فوراً چھاتی سے لگاتے ہوئے پوچھا کیا ہوا میرے لعل؟

میں نے انہیں بتایا کہ اس طرح تین آدمیوں نے میرا سینہ چاک کر دیا میرا

قلب نکالا اور اس میں سے سیاہ نقطہ نکال کر باہر پھینک دیا، پھر میرے قلب کو برف کے ساتھ دھویا یہ منظر میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا ان میں سے ایک شخص نے اپنا ہاتھ فضا میں بلند کیا، اچانک ایک نورانی مہر اس کے ہاتھ میں آ گئی اس نے جوں ہی یہ مہر میرے دل پر لگائی میرا دل نور سے منور ہو گیا، میں نے ایک عجیب وغریب ٹھنڈک اور راحت محسوس کی، اس کا اثر میرے دل پر ایک عرصہ تک رہا، اس کے بعد انہوں نے میرے پیٹ کو برف سے دھویا اور صاف کیا"

مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ:

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اور شکم مبارک کو دھو کر مطہر کیا گیا گناہوں کا مزاج گرم ہوتا ہے اور دل ان کی آماجگاہ ہوتا ہے، اس لئے مادہ معصیت کو بجھانے کے لئے برف کا استعمال کیا گیا، شق صدر کے موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو شانوں کے درمیان مہر نبوت لگائی گئی، بعض حضرات کہتے ہیں مہر نبوت بچپن ہی سے آپ کے شانوں کے درمیان تھی اسی وجہ سے علماء بنی اسرائیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس علامت سے پہچانتے تھے بعض علماء کا کہنا ہے کہ شق صدر کے موقع پر دوبارہ تجدید کے طور پر مہر نبوت لگائی گئی، کیونکہ جب کسی چیز کی حفاظت مقصود ہوتی ہے تو اس وقت مہر لگا دی جاتی ہے تاکہ جو شئ اس میں رکھ دی گئی ہے وہ اس میں سے نکلنے نہ پائے، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو علم وحکمت اور انوارات الٰہیہ سے بھر کر دو شانوں کے درمیان مہر لگا دی تاکہ اس خزینہ سے کوئی شئ باہر نہ نکل سکے، شق صدر کے اس عمل کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وزن کیا گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"مجھے دس آدمیوں کے ساتھ تولا گیا میں ان سے بھی بھاری نکلا، اس کے بعد مجھے سو آدمیوں کے ساتھ تولا گیا تو میں ان سے بھی بھاری نکلا، پھر ایک ہزار آدمیوں کے ساتھ تولا گیا میں ان سے بھی بھاری نکلا، زمین اور آسمان کے درمیان کھڑے ان دو آدمیوں نے کہا کہ اگر آپ انہیں ساری خدائی کے ساتھ بھی تول لیں تو

بھی بھاری نکلیں گے۔"

شق صدر کے واقعہ نے حضرت حلیمہؓ کو پریشان کر دیا آپؓ نے اپنے خاوند سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ امانت واپس کر دو، بعض علماء کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت آمنہؓ کے سپرد کرنے کی کچھ وجوہات اور بھی تھیں، جن میں ایک وجہ یہ تھی کہ یہودی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں بھی دیکھتے آپ کا بغور مشاہدہ کرتے، حضرت حلیمہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ بنوسعد کی آبادی پر چند یہودیوں کا گزر ہوا، حضرت حلیمہؓ نے ان کو بچہ کے انوار و برکات کے بارے میں بتایا یہ سن کر ایک یہودی بولا کہ اس بچہ کو قتل کر ڈالو اتنے میں دوسرے نے پوچھا کہ کیا اس بچہ کا باپ زندہ ہے؟ کیونکہ ہمارے علم کے مطابق نبی آخر الزماں یتیم ہوگا، حضرت حلیمہؓ یہ سن کر ڈر گئیں اور حارث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ اس بچہ کا باپ ہے، اسی طرح یہ لوگ عکاظ کے میلے میں گئے، جہاں ایک کاہن کی نظر آپؐ پر پڑ گئی وہ چیخنے لگا کہ اس کو مار ڈالو یہ بڑا ہو کر تم سب کو مار ڈالے گا، حضرت حلیمہؓ نے یہ سنا تو فوراً میلے سے واپس آ گئیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گم ہو جانا

حضرت حلیمہؓ با دل نخواستہ سرکار دو عالم ﷺ کو لیکر مکہ چلیں تا کہ حضرت آمنہؓ کو واپس کر کے آئیں، جب آپ مکہ کے کسی بالائی حصہ میں پہنچیں تو ایک جگہ ٹھہر گئیں اور وہیں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بٹھا دیا اور خود حاجت سے فراغت میں مصروف ہو گئیں واپس آئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں نہ پا کر لوگوں سے پوچھا، لیکن لوگ کچھ نہ بتا سکے حضرت حلیمہؓ سخت پریشان ہوئیں اور واویلا کیا پھر قسم کھا کر کہا کہ اگر میرا لعل نہ ملا تو پہاڑ کی چوٹی سے گر کر مر جاؤں گی، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت تلاش کیا اور بالآخر ناامید ہو کر اس قدر گریہ وزاری کی کہ مکہ والوں کے دل دہل گئے، اس کے بعد آپ سردار مکہ حضرت عبدالمطلب کے پاس پہنچیں۔ اور سارا ماجرا

بیان کیا، حضرت عبدالمطلب نے بھی قریش کے ساتھ مل کر آپ کو بہت تلاش کیا مگر ناکام ہوکر بیت اللہ کی طرف متوجہ ہوئے، طواف کیا اور بارگاہ رب العزت میں دعا کی، روایت ہے کہ ندائے غیب آئی کہ آہ وزاری کی ضرورت نہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رب انہیں ضائع نہیں کریگا وہ وادیٔ تہامہ میں شجر یمن کے پاس ہیں، حضرت عبدالمطلب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں ہی موجود تھے۔

ماں کا سایہ شفقت اٹھ گیا

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چھ سال کی ہوئی تو حضرت آمنہؓ کو مرحوم شوہر کی قبر کی زیارت کا خیال آیا، آپؐ کے اکثر رشتہ دار یثرب ہی تھے ان سے ملنا بھی مقصود تھا چنانچہ تین افراد حضرت آمنہ ام ایمن اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل ایک مختصر سا قافلہ مدینہ طیبہ روانہ ہوا اور دارالنابغہ میں اترا جہاں آپؐ کے والد حضرت عبداللہ کا مدفن تھا، ہجرت کے بعد جب سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو بچپن کی ساری باتیں حافظہ میں تھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مکان بھی پہچان لیا جس میں آپؐ اپنی والدہ کے ساتھ قیام پذیر تھے، بنو نجار کا وہ کنواں بھی آپ کو یاد تھا جس میں آپؐ نے تیرنا سیکھا تھا واپسی پر حضرت آمنہ ابواء نامی جگہ میں بیمار ہوگئیں۔

ذرا غور کیجئے کہ ایک معصوم بچہ پردیس میں اپنی شفقتوں اور محبتوں کا چراغ اپنی آنکھوں سے بجھتا دیکھ رہا ہے اس معصوم ذہن پر غم کے کیا اثرات مرتب ہوئے ہوں گے، ماں نے جب دیکھا کہ میری زندگی کا چراغ گل ہونے والا ہے تو اپنی امیدوں اور آرزؤں کے مرکز کو جی بھر دیکھا اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حسرت ویاس کے عالم میں اپنی ماں کے سرہانے بیٹھے تھے ماں نے اپنے سہاگ کی نشانی کو کئی بار چوما ہوگا کئی بار سینے لگایا ہوگا، آنکھوں میں فرقت کی ندیاں بہہ گئی ہوں گی، مستقبل کا یہ پیغمبر اعظم بھی سوچتا ہوگا، آخر آج ماں کو کیا ہوگیا ہے؟ وہ اس طرح بار بار میری

پیشانی کو بوسہ کیوں دے رہی ہے؟ مواہب لدنیہ کی روایت ہے کہ آخری وقت شہنشاہ دوعالم کی والدہ ماجدہ نے چند اشعار پڑھے اور اپنے بیٹے کو مخاطب کر کے فرمایا:

بارک اللّٰہ فیک من غلام　　انّ الصبح ما الصون فی المنام

فانت مبعوث الی الانام　　من عند ذی الجلال والاکرام

میرے لخت جگر گھبرانا نہیں حوصلہ رکھنا، تم عظیم باپ کے بیٹے ہو تم اس شخص کے فرزند ہو جس کا فدیہ سو اونٹ تھے، میرے نور نظر میں نے تیری نبوت کا خواب دیکھا ہے وہ ضرور پورا ہوگا، میرے بچے ہر زندہ ایک نہ ایک دن مرجائے گا، میں مرجاؤں گی، لیکن یاد رکھنا میرا نام رہتی دنیا تک باقی رہے گا کیونکہ میں نے ایک طاہر وطیب کو جنم دیا ہے، یہاں ابواء کے مقام پر حضرت آمنہؓ کا انتقال ہوا، سوچئے کہ اس ننھے اور معصوم دل پر کیا گزری ہوگی جس نے اپنے ننھے منے ہاتھوں سے سفر میں اپنی ماں کی قبر پر مٹی ڈالی ہوگی۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر اپنی والدہ کی قبر کے پاس سے ہوا تو اپنے ہاتھوں سے اپنے والدہ محترمہ کی قبر کو درست کیا، کتب سیرت میں موجود ہے کہ آپ قبر پر مٹی ڈالتے وقت اس قدر روئے کہ ڈاڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہوگئی، یہ رقت انگیز منظر صحابہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تو وہ بھی رونے لگے، فرمایا:

''میرے صحابہ! مجھے آج ماں کی ممتا یاد آگئی، یہاں آج میری آنکھیں رو رہی ہیں، کبھی یہاں میرا دل رو رہا تھا''

حضرت ام ایمن کے ہمراہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ پہنچے ام ایمن حبشی کنیز تھیں، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت زیادہ خدمت کی یہاں تک کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اپنی ماں کہہ کر پکارتے تھے، یہ ایسی خوش نصیب خاتون تھیں کہ جنہوں نے اول اسلام قبول کیا، ام ایمنؓ نے اسلام قبول کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو آزاد کر دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام ایمن کا پہلا

نکاح حارث سے کرایا، جن سے ایمن پیدا ہوئے دوسرا نکاح سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منہ بولے بیٹے حضرت زیدؓ سے کیا، حضرت زید کو دربار رسالت میں ایک خاص مقام حاصل تھا، آپ کے بیٹے اسامہ بن زیدؓ سے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی محبت تھی، حضرت اسامہؓ کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ وہ فتح مکہ کے موقع پر امام الانبیاء کے ساتھ پیچھے گھوڑے پر سوار تھے اور ان کا جسم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کو چھو رہا تھا۔

نرالا بچپن

حضرت عبدالمطلب نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش اور سرپرستی کمال شفقت اور محبت سے کی تھی، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ بیت اللہ کے سایہ میں ایک مخصوص تخت حضرت عبدالمطلب کے لئے بچھایا جاتا تھا، جس پر سردار مکہ کی اولاد کو بھی بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی، اس تخت پر سردار مکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بٹھایا کرتا تھا، حضرت ابوطالب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو روکنے کی کوشش کرتے لیکن حضرت عبدالمطلب فرماتے کہ رب کائنات کی قسم میرے اس ذی شان خوش بخت پوتے کو آنے دو حضرات عبدالمطلب کی بینائی کمزور تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قریب بٹھاتے اور آپ کی پیشانی چومتے اور بار بار پشت مبارک پر محبت سے ہاتھ پھیرتے۔

دوسرا صدمہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک آٹھ سال کی ہوئی تو آپ کو ایک اور صدمہ سے دوچار ہونا پڑا، وہ دادا جس نے آپ کو ناز و نعم سے پالا اور اپنی اولاد سے بڑھ کر چاہا ان کی حیثیت گھنے سایہ کی سی تھی آج وہ سایہ بھی اٹھ گیا، حضرت ام ایمنؓ سے روایت ہے کہ جب دادا عبدالمطلب کا جنازہ اٹھا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

جنازہ کے پیچھے پیچھے روتے جا رہے تھے۔

چچا ابو طالب کی کفالت میں

حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد آپ اپنے چچا ابو طالب کی کفالت میں آئے، حضرت ابو طالب کثیر الاولاد تھے کھانے کے وقت بچوں میں سخت چھینا جھپٹی ہوتی، لیکن رحمت عالم نہ صرف یہ کہ اس میں حصہ نہیں لیتے تھے بلکہ کھانے کے وقت دستر خوان سے دور ہو جاتے، آپ کا زیادہ گزر اوقات آب زمزم پر ہوتا، کھانا مل جاتا تو ٹھیک ورنہ صبر شکر کرتے، حضرت ابو طالب آپ کی ان عادات اور خصلتوں سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے اور جب تک آپ کو دستر خوان پر بٹھا کر کھانا نہ کھلاتے آپ کو سکون نہ ملتا تھا، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مسعود کی وجہ سے اس قدر برکت ہوئی کہ جب آپ دستر خوان پر بیٹھتے تو سارے گھر والے پیٹ بھر کر کھانا کھاتے۔

انبیاء کی حفاظت

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی انوکھی اور منفرد تھی، بچپن جوانی بڑھاپا، بلکہ زندگی کا ایک ایک لمحہ اور ایک ایک ادا منفرد تھی، اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جنگل یا وادی میں ان کی بھیڑوں بکریوں کو بھیڑیا آ کر چیر پھاڑ جاتا لیکن جس روز سرور کائنات بکریوں کے ریوڑ کے ساتھ ہوتے اس روز وہی بھیڑیا ریوڑ کی حفاظت کرتا اور باقاعدہ پہرہ دیتا تھا۔

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہمجولیوں کے ساتھ تھے انہوں نے اپنے اپنے کرتوں کی جھولیوں میں پتھر اٹھانا شروع کئے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب میری باری آئی اور میں اپنے دامن میں پتھر اٹھا ہی رہا تھا، میرا ستر کھلنے کو تھا کہ یکایک ایک دست غیب نے میرا ابھرا ہوا دامن جھٹک دیا، اور سارے

پتھر زمین پر جا گرے، اس کے بعد مجھے دوبارہ ایسا کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

ایک روایت ہے کہ بچپن ہی کے زمانہ میں کعبۃ اللہ کو نقصان پہنچا اس کو درست کرنے کے لئے تمام لوگ پہاڑی سے پتھر اٹھا کر لانے لگے، حضرت عباسؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ بھتیجے تہبند اتار کر اپنے کاندھوں پر رکھ لو تا کہ پتھر اٹھانے میں تکلیف نہ ہو، آپؐ نے حکم عدولی مناسب نہ سمجھی لیکن ایسا کرنا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوش ہو کر گر پڑے جب ہوش آیا تو سب سے پہلے اپنا تہبند باندھا، اس طرح حق تعالیٰ نے اپنے محبوب کی شرم و حیا کی بچپن میں بھی حفاظت فرمائی

کتب سیرت میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ ایک سرسبز مقام پر کھجور کے درخت تھے جنہیں لوگ مقدس تصور کرتے تھے ان درختوں پر پھل بہت زیادہ آتے تھے اس جگہ بوانہ نامی بت نصب تھا، لوگ وہاں جاتے اور مشرکانہ افعال انجام دیتے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال یہاں منعقد ہونے والے میلہ میں شریک ہونے سے انکار کرتے، آخر ایک مرتبہ آپؐ اپنے رشتہ داروں کے اصرار پر وہاں تشریف لے گئے، وہاں پہنچ کر بہت دیر تک سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رشتہ داروں کی نظروں سے اوجھل رہے، جب ظاہر ہوئے تو خوف و ہراس اور پریشانی کے آثار آپ کے چہرہ اقدس پر نمایاں تھے، رشتہ دار عورتوں نے آپ کی یہ حالت دیکھی تو وجہ پوچھی، آپؐ نے فرمایا کہ جب میں اس بت کے قریب جانا چاہتا ہو تو ایک نورانی سفید رنگ، دراز قد شخص مجھے اس بت کے پاس جانے سے منع کرتا اور کہتا

"اے محمد! پیچھے ہٹ جایئے بت کو ہاتھ مت لگائیں"

حضرت ام ایمنؓ کی روایت کے مطابق دوبارہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بت کے قریب نہیں گئے۔

مکہ میں ایک جگہ گانے بجانے کی محفل تھی، گرمیوں کا موسم تھا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم چراگاہ میں بکریاں چرا رہے تھے، آپؐ نے اپنا ریوڑ ساتھ والے چرواہے کے سپرد کیا تا کہ اس میں شریک ہو سکیں، اس ارادہ سے چراگاہ سے چل کر شہر

پہنچے، تھکن اور گرمی کا احساس ہوا اور ایک درخت کی گھنی چھاؤں میں کچھ دیر ستانے کے لئے لیٹ گئے اور آنکھ لگ گئی، جب آنکھ کھلی تو محفل ختم ہو گئی تھی، اس کے بعد آپ کو لہو ولعب کی مجلس میں کبھی شریک ہونے کا خیال تک نہ آیا۔

گلہ بانی

تاریخ انبیاء سے ثابت ہے کہ تمام انبیاء نے بکریاں چرانے کا شغل اختیار کیا ہے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''انبیاء کرام نے بکریاں چرائیں''

جانوروں میں سے سب سے زیادہ تنگ کرنے والا جانور بکری ہے، بکری کی فطرت ہے کہ وہ ایک جگہ نہیں چرتی، پل بھر میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتی ہے، چرواہے کی یہ ڈیوٹی ہے کہ اپنے ریوڑ کی کڑی نگرانی رکھے تاکہ کوئی بھیڑیا حملہ کر کے کسی بکری کو اٹھا کر نہ لیجائے، انبیاء علیہم السلام کا بکریاں چرانا امت کی گلہ بانی کا دیباچہ ہے، جس طرح ایک چرواہا اپنے ریوڑ کی حفاظت کے لئے ہر دم چوکس اور چوکنا رہتا ہے اس طرح نبی بھی اپنی امت کے ادھر ادھر بھاگتے ہوئے افراد پر نظر رکھتے ہیں ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ان کی امت متحد رہے، اور منتشر ہو کر شیطان کے جال میں نہ پھنس جائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

جمادی الاول

الحمد لولیہ و الصلوٰۃ لاھلھا، ومایبنطق عن الھوٰی إن ھو الاّ وحیٌ یُوحیٰ

آغاز وحی

برادران گرامی ! نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک چالیس کے قریب پہنچ چکی تھی اس وقت آپ کے سامنے وہ سچائی روز روشن کی طرح عیاں ہونے لگی جس کی تمنا اور آرزو میں آپ نے اپنا بچپن اور جوانی گزاری شروع ہی سے آپ اپنا سارا وقت خدا کی عبادت اور اس کی یاد میں گذارتے تھے، ذکرالٰہی اور عبادت وریاضت نے آپ کی روح کو نور اور دل کو سرور کی دولت سے مالامال کردیا تھا، آپ کا قلب مبارک نورانیت اور پاکیزگی سے معمور ہو چکا تھا، ایک دن آپ نے ایک سچا خواب دیکھا کہ جس سے آپ کو یہ محسوس ہوا کہ دنیا کی ساری رونقیں، دلفریبیاں اور دلکشیاں محض دھوکہ ہیں یہاں کے عیش وآرام عارضی ہیں، یہ سچا خواب آپ کو اس کے بعد بار بار نظر آیا اس کے بعد رمضان کا مبارک مہینہ آیا نبی کریم ﷺ اپنی عادت شریف کے مطابق غار حرا میں تشریف لے گئے اور یاد الٰہی میں ہمہ تن مشغول ہو گئے جب گھر والوں میں سے کوئی کھانا لیکر آتا تھا تو آپ کو خیریت سے دیکھ کر مطمئن ہو جاتا، گھر والے آپ کی طرف سے غریبوں اور مسکینوں کو خیرات اور صدقات دیتے اور آپ کے لئے دعا ئیں حاصل کرتے۔

جب رمضان کے کئی دن گزر گئے تو ایک رات سحر کے قریب اچانک آپ کے سامنے ایک فرشتہ ظاہر ہوا، فرشتے نے آپ سے کہا:

’’پڑھئے!‘‘

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوفزدہ ہو گئے تھے آپ نے جواب دیا۔

''میں پڑھنا نہیں جانتا''

اس کے بعد آپؐ نے محسوس فرمایا کہ فرشتے نے آپ کو اتنے زور سے بھینچا کہ آپ کا سانس گھٹنے لگا پھر فرشتے نے آپ کو چھوڑ کر کہا:

''پڑھیے!''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں پڑھنا نہیں جانتا''

فرشتے نے آپ کو دوبارہ سینے سے لگایا اور پہلے سے بھی زیادہ زور سے بھینچ کر کہا:

''پڑھیے!''

آپ نے فرمایا:

''میں پڑھنا نہیں جانتا''

فرشتے نے تیسری بار آپ کو سینے سے لگا کر بھینچا اور پھر کہا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ، خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ

ترجمہ: ''(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ پر جو قرآن نازل ہوا کرے گا) اپنے رب کا نام لیکر پڑھا کیجئے''۔

یعنی جب پڑھو تو بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ کر پڑھا کیجئے جس نے مخلوقات کو پیدا کیا، انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا آپ قرآن پڑھا کیجئے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم سے تعلیم دی اور ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہ جانتا تھا۔

فرشتے نے جو آیتیں پڑھیں آپؐ نے انہیں فوراً دہرایا یہ الفاظ گویا آپؐ کے دل پر جم گئے تھے آخر کار آپؐ حضرت جبرئیل کے پاس سے واپس ہوئے اور آپؐ ڈرتے اور کانپتے ہوئے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے پاس تشریف لائے آپؐ پسینہ میں

شرابور ہو رہے تھے، آپؐ نے آتے ہی حضرت خدیجہؓ سے فرمایا۔
"مجھے چادر اڑھاؤ! مجھے چادر اڑھاؤ!"

حضرت خدیجہؓ نے نہایت محبت سے آپ کو کپڑا اڑھایا، وہ سوچ رہی تھیں آپ کی طبیعت کچھ ناساز ہو گئی ہے اور شاید آپ کو بخار ہو گیا ہے کچھ دیر بعد جب آپؐ کی طبیعت ذرا ہلکی ہوئی اور گھبراہٹ وکپکپی کچھ کم ہوئی تو حضرت خدیجہؓ نے آپؐ سے دریافت کیا۔

"آپ کہاں تھے اور کیا واقعہ پیش آ گیا تھا؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کو رحم طلب نظروں سے دیکھا اور فرمایا:

"مجھے اپنی جان کا خطرہ ہو گیا ہے!"

لیکن حضرت خدیجہؓ نے آپ کو نہایت عقیدت واحترام کی نظروں سے دیکھا ان کے چہرہ پر اطمینان اور یقین کی مسکراہٹ ابھر آئی انہوں نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

"یہ خوشخبری ہے محمدؐ! اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں خدیجہ کی جان ہے مجھے یقین ہے کہ آپؐ اس امت کے نبی ہیں، خدا کی قسم خدا آپ کو کبھی ضائع نہیں کریگا آپ رشتہ داروں کے حقوق پورے کرتے ہیں ہمیشہ سچ بولتے ہیں، امانتیں ادا کرتے ہیں، نیک اور اچھے کام کرتے ہیں"

حضرت خدیجہؓ کی یہ تسلی آمیز باتیں سن کر آپ کو بہت سکون محسوس ہوا آپؐ نے حضرت خدیجہؓ کا ان کی تسلی اور دلاسہ والوں باتوں پر شکریہ ادا کیا اس کے بعد آپؐ آنکھیں بند کر کے لیٹ گئے کہ خدا تعالیٰ آپؐ پر بھلائی اور خیر نازل فرمائے گا۔

حضرت خدیجہؓ یوں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دے چکی تھیں مگر اس کے باوجود ان کا اس بات کا خیال لگا رہا جو آپؐ نے ان کو بتلائی تھی، انہوں نے سوچا کہ یہ بات اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل سے بھی پوچھنی چاہئے، کیونکہ ان کے

بارے میں مشہور تھا کہ وہ بہت بڑے عالم ہیں اور کئی مذہبوں کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں۔

ورقہ بن نوفل پہلے یہودی ہو گئے تھے پھر انہوں نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا اور انجیل پڑھ کر اس کے کچھ حصوں کا عربی میں ترجمہ کیا تھا، غرض حضرت خدیجہؓ ان کے پاس پہنچیں اور جو کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بیان کیا تو اور جو کچھ دیکھا اور سنا تھا ان کو بتلایا ورقہ بن نوفل نے جوں ہی یہ سنا وہ ایک دم پکار اٹھے ''قدوس، قدوس'' قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم نے جو کچھ کہا اگر وہ صحیح ہے تو سمجھ لو کہ ان کے پاس وہی عظیم فرشتہ آیا ہے جو اس سے پہلے موسیٰ کے پاس آیا تھا یقین کرو کہ وہ اس امت کے نبی ہیں اور وہی نبی ہیں جن کے آنے کی خوشخبری حضرت عیسیٰ نے دی تھی تم میری طرف سے ان کی خدمت میں مبارک باد پیش کر دینا''

حضرت خدیجہؓ ورقہ بن نوفل کے پاس سے آئیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''میں آپ کو خوشخبری سناتی ہوں''

اور اس کے بعد انہوں نے وہ سب باتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیں جو ورقہ بن نوفل نے آپؐ کے بارے میں بتلا کر ان سے کہا تھا کہ یہ خوشخبری محمدؐ کو سنا دینا۔

پہلی وحی آنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عادت کے مطابق غار حراء میں تشریف لیجاتے رہے ایک دن وہاں سے آپ واپس آئے اور پہلے بیت اللہ شریف میں جا کر کعبہ کا طواف کیا وہاں ورقہ بن نوفل سے ایک ملاقات ہوئی ورقہ نے آپؐ سے کہا:

''میرے بھتیجے جو کچھ تم نے دیکھا وہ مجھ سے بھی بتاؤ؟''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بیان کیا تو ورقہ بن نوفل نے کہا:

''خدا کی قسم تم اس امت کے نبی ہو اور تمہارے پاس وہی عظیم فرشتہ آیا تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آ چکا ہے، یاد رکھو تمہیں لوگ جھٹلائیں گے، تکلیفیں دیں گے وطن سے نکال دیں گے اور تم سے جنگ کریں گے اور اگر اس دن تک میں زندہ رہا تو میں تمہاری حمایت اور مدد کروں گا''

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

''کیا میری ہی قوم کے لوگ مجھے وطن سے نکال دیں گے؟''

ورقہ بن نوفل نے جواب دیا:

''ہاں آج تک جتنے بھی نبی گزرے ہیں لوگوں نے ان کی مخالفت کی اور انہیں تکلیفیں پہنچائیں''

پھر ورقہ نے جھک کر آپ کے سر مبارک کو بوسہ دیا اور اپنے گھر چلے گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرئیل علیہ السلام کے دوبارہ آنے کا انتظار فرمانے لگے آپ اس خیال سے پریشان رہنے لگے، کہ حضرت جبرئیل آپ کو ہدایات دینے کیوں نہیں آتے، ایسی صورت میں آپ کیا کریں اور کس طرح تبلیغ کا آغاز کریں، آپ کی پریشانی بڑھتی گئی اور دن بدن بہت زیادہ غمگین رہنے لگے، حضرت خدیجہ آپ کی اس پریشانی کو بھانپ گئیں، اور وہ بھی آپ کی طرح ہر وقت اداس اور پریشان رہنے لگیں، انہوں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دینے لگیں تا کہ آپ کی طبیعت کا بوجھ کچھ ہلکا ہو، جب بہت لمبا عرصہ گذر گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے قراری بہت زیادہ بڑھ گئی، آپؐ بے چینی میں اس ٹیلے سے اس ٹیلے پر چڑھتے، بے قراری کا عالم یہ ہو گیا کہ آپ کا دل چاہتا کہ پہاڑ کے اوپر سے خود کو نیچے گرا دیں، مگر جب بھی آپؐ پہاڑوں کے درمیان پہنچتے اور ایسا کرنا چاہتے تو اچانک حضرت جبرئیل علیہ السلام ظاہر ہوتے اور کہتے:

''محمدؐ آپ خدا کے رسول ہیں اور میں آپ کا دوست اور بھائی ہوں''

آپؐ نے ایک مہینہ تک غار حرا میں قیام فرمایا اور خدا کی عبادت میں مشغول

رہے آخرکار خداوند کریم نے اپنا فضل فرمایا ایک روز غار حرا سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ اچانک آپ کو ایک آواز سنائی دی، آپؐ نے آگے پیچھے دائیں بائیں ہر طرف دیکھا مگر کچھ نظر نہ آیا پھر آپؐ نے اوپر کو نظر اٹھائی تو دیکھا کہ وہی فرشتہ سامنے ہے جو غار حراء میں آیا تھا یعنی جبرئیل علیہ السلام مگر اس دفعہ وہ زمین و آسمان کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت زیادہ خوف اور ڈر کا عالم طاری ہوگیا آپؐ ڈرتے اور کانپتے ہوئے اپنے گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہؓ سے فرمایا:

"مجھے چادر اڑھاؤ اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو"

اس وقت آپؐ پر یہ آیتیں نازل ہوئیں، یَا أَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ وَثِیَابَکَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَکْثِرُ وَلِرَبِّکَ فَاصْبِرْ

ترجمہ: اے کپڑا اوڑھنے والے اٹھو (مستعد ہو جاؤ) پھر (کافروں کو) ڈراؤ اور اپنے رب کی بڑائیاں بیان کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو اور بتوں سے الگ رہو، (جس طرح کہ اب تک الگ ہو) اور کسی کو اس غرض سے مت دو کہ (دوسرے وقت) زیادہ معاوضہ چاہو، اور پھر (جو ایذاء پیش آئے اس پر) اپنے رب (کی خوشنودی) کی خاطر صبر کرو۔

اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مطمئن ہوگئے، آپؐ کے قلب کو سکون حاصل ہوگیا، اور بے قراری دور ہوگئی، جب حضرت خدیجہؓ کو اس کی خبر ہوئی تو وہ بھی پوری طرح آپ کی خوشی میں شریک ہوئیں، کیونکہ وہ اپنے شوہر کے لئے جس بات کی تمنا اور دعا کر رہی تھیں وہ پوری ہوگئی تھی، حق تعالیٰ شانہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نعمت عطا فرمائی جس کے بند ہو جانے کی وجہ سے آپؐ بے چین تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی رہی اور اس کے ذریعہ آپ آیات قرآنیہ سیکھتے رہے، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو

کرنے اور نماز پڑھنے کے طریقے سکھلائے ایک بار جب مکہ کی ایک بلند جگہ پر تھے حضرت جبرئیل آپ ؐ کے پاس آئے اور آپ ؐ کے سامنے وضو کیا تاکہ آپ دیکھ لیں کہ نماز کے لئے کس طرح پاکی حاصل کی جاتی ہے اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح وضو کیا، پھر حضرت جبرئیل ؑ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی، آپ ؐ نے حضرت جبرئیل کی اقتداء کی۔

آپ ؐ حضرت خدیجہؓ کے پاس تشریف لائے اور ان کے سامنے اس طرح وضو کیا جیسے حضرت جبرئیل نے کیا تھا حضرت خدیجہؓ نے دیکھ کر اسی طرح وضو کی اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی اور حضرت خدیجہؓ نے آپ کی اقتداء کی۔

حضرت علیؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت و پرورش میں رہ رہے تھے، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت کرتے تھے آپ ؐ جو کچھ فرماتے اس کو دل سے سچا جانتے اور اس بات پر بھروسہ رکھتے تھے کہ آپ ؐ ان کی بھلائی چاہتے ہیں لیکن اس سے پہلے انہوں نے اس عاجزی کے ساتھ سجدہ کرتے ہوئے نہ کبھی دیکھا تھا اور نہ آپ کو ایسا پاک اور نصیحتوں بھرا ہوا کلام پڑھتے ہوئے سنا تھا چنانچہ حضرت علیؓ سے رہا نہ گیا اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہؓ سے پوچھا کہ:

''یہ کیا ہے؟''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یہ خدا تعالیٰ کا پاک اور سچا دین ہے اسی کی وجہ سے خدا اپنے پیغمبر اور رسول بھیجتا ہے''

حضرت علیؓ کو بہت تعجب ہو رہا تھا وہ حیرت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن رہے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں تمہیں اس ایک خدا کی عبادت کی دعوت دیتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں اپنی قوم کو کافر سمجھو اس لئے کہ وہ لات وعزیٰ کو اپنا خدا سمجھتے ہیں''

حضرت علیؓ نے کہا:

"مجھے اتنی مہلت دیجئے کہ میں اپنی والدہ کو بھی بتلا دوں"

مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پسند نہیں کرتے تھے کہ اسلام کا راز عام ہو

اس لئے آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا:

"علی! اگر تم اسلام قبول نہیں کرتے تو اس بات کو چھپائے رکھو اور کسی سے ظاہر مت کرو"

حضرت علیؓ نے رات بیداری اور بے خوابی میں گزاری جو کچھ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا اسی کے بارے میں سوچتے رہے، صبح ہوتے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے کہا:

"میں آپؐ پر ایمان لاتا ہوں اور آپ کی پیروی کرتا ہوں مجھے بتلایئے کہ میں رکوع سجدہ کیسے کروں اور خدا کا کلام کیسے پڑھوں؟"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نماز سکھلائی اور اس وقت تک جتنی آیتیں آپؐ پر اتری تھیں، وہ بھی یاد کرائیں اس کے بعد جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تو حضرت علیؓ ہمیشہ آپؐ کے پیچھے ہوتے تھے۔

اس کے کچھ دن بعد ہی حضرت زید بن حارثہؓ بھی ایمان لے آئے اور آپ کے ساتھ عبادت میں شریک ہو گئے، حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارکہ میں رہ کر اندازہ ہوا کہ آپ بہت عظیم روح کے مالک ہیں اور بے حد نرم دل اور نرم مزاج ہیں یہ دونوں محسوس کرتے تھے کہ آپ کی ہر بات بے حد بلند اور عظیم ہے اس کی وجہ سے یہ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ ہر وقت آپ کی صحبت میں رہیں، ادھر حضرت علیؓ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اسلام لانے سے نبی کریم ﷺ کو سب سے زیادہ قوت حاصل ہوئی اور اسلام کی تبلیغ شروع کرنے میں وہ بڑے مددگار ثابت ہوئے۔

حضرت ابوبکرؓ اپنی قوم میں بہت زیادہ محبوب تھے ادھر وہ قریش میں اعلیٰ

نسب اور اونچے خاندان سے تعلق رکھتے تھے بہت زبردست عالم تھے اور قریش کی اچھائیوں اور برائیوں سے واقف تھے۔

حضرت ابو بکرؓ ایک خوشحال تاجر، معد دریچگی اور روپیہ پیسہ خوب خرچ کرنے والے تھے اس کے علاوہ ایک بہت خوش اخلاق اور مشہور آدمی تھے لوگ اپنے کاموں میں ان سے مشورہ کرتے تھے اور ان کی مجلسوں میں بیٹھنا پسند کرتے تھے ان کی مجلسیں بہت اچھی اور مفید ہوا کرتی تھیں۔

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے خود بھی دوسرے لوگوں کو اس نئے دین میں شامل ہونے کی تبلیغ شروع کر دی ان کی مجلسوں میں جو سمجھدار لوگ آتے تھے حضرت ابو بکرؓ ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے، جن صحابہ نے حضرت ابو بکرؓ کے ذریعہ اسلام قبول کیا ان میں سب سے پہلے حضرت عثمان بن عفانؓ ہیں اور پھر حضرت زبیر بن عوامؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، اور حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ مسلمان ہوئے اس کے بعد حضرت عبیدہ بن جراحؓ اور ارقم بن ارقم نے اسلام قبول کیا ان کے بعد اور بہت سے مرد اور عورت مسلمان ہوئے اور ان عورتوں میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی بیٹیاں بھی شامل تھیں۔

اہل اسلام کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام طریقوں سے تبلیغ اور اللہ کے دین کی اشاعت کا کام شروع نہیں فرمایا تھا، لوگ ابھی تک اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھے، اور چپکے چپکے ہی اس کی شاعت کا کام کر رہے تھے جن لوگوں کے بارے میں انہیں معلوم ہوتا کہ ان کی طبیعت میں سلامتی اور بھلائی ہے اور سچائی کی طرف جھک سکتے ہیں ان کو صحابہ اسلام کا پیغام سناتے مگر یہ سب کچھ وہ اپنے رشتہ داروں اور عام لوگوں سے چھپ کر کرتے تھے ان کاموں کے لئے وہ آبادی سے دور ویران جگہیں منتخب کرتے وہاں قرآن کریم پڑھتے اور دوسروں کو یاد کراتے، لوگوں سے چھپ کر پہاڑوں اور گھاٹیوں میں جاتے اور وہاں نماز پڑھتے نئے مسلمان اپنے سے پہلے اسلام لانے والوں سے مسئلے پوچھتے اور قرآن

کریم کی جتنی آیتیں اس وقت تک نازل ہو چکی تھیں وہ یاد کرتے۔

رفتہ رفتہ مکہ والوں کو مسلمانوں کی سرگرمیوں کا علم ہونے لگا چنانچہ وہ مسلمانوں کے خفیہ راز کو جاننے کے لئے تاک میں لگ گئے بہت جلد ہی انہیں معلوم ہو گیا کہ مسلمان نماز پڑھتے ہیں اور عبادتیں کرتے ہیں، انہیں معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے دین کے بجائے ایک نئے دین کا پیغام دیتے ہیں جو یہ سکھاتا ہے کہ خدا ایک ہے اس کی خدائی میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہے، وہی پیدا کرتا ہے اور وہیں مارتا ہے، کوئی اس کے برابر نہیں، وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور یہ کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پیغمبر اور رسول ہیں جنہیں خداوند کریم نے دنیا کی راہنمائی اور ہدایت کے لئے بھیجا ہے۔

قریش کو جب یہ راز معلوم ہوا تو وہ غصے اور حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے، ان کے دلوں میں غصہ کا طوفان اٹھنے لگا۔

کیا ابو طالب کے پاس رہنے والا یتیم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی ہونے کا دعویٰ کر بیٹھا ہے کیا وہ لوگوں کو ہمارا مذہب چھوڑنے اور ہمارے خداؤں کا انکار کرنے کی ترغیب دے رہا ہے؟ کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کی جسارت کی کہ وہ اپنی قوم اور اپنے باپ دادا کا مذہب چھوڑ دے۔

سب لوگ حیرت اور تعجب بھری نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھتے بعض لوگوں نے تو اسی وقت پورے یقین کیساتھ کہہ دیا کہ (نعوذ باللہ) محمدؐ پاگل ہو گیا ہے۔

کچھ لوگوں نے کہا کہ اس کو شہرت اور عزت حاصل کرنے کی سوجھی ہے مگر جلد ہی اس کے یہ خواب غلط ثابت ہوں گے، ان میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کے دل اس نئے دین کی طرف مائل ہوئے وہ اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے خواہشمند ہوئے، ابو طالب بھی اپنے بھتیجے کے اس نئے دین کے بارے میں سن چکے تھے ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ان کا گزر ہوا اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی ایک گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے آپ کے ساتھ حضرت

علیؓ بھی تھے، ابو طالب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

"میرے بھتیجے یہ کونسا دین ہے جس پر میں تمہیں دیکھ رہا ہوں؟"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"چچا یہ خدا کا اور اس کے فرشتوں کا دین ہے یہ خدا کے رسولوں اور ہمارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے خدا تعالی نے مجھے یہ دین دیکر اور اپنا رسول بنا کر بندوں کے پاس بھیجا ہے اور چچا! میں سمجھتا ہوں کہ آپ اس بات کے حقدار زیادہ ہیں کہ اس دین کے اختیار کرنے کے لئے میں آپ سے کہوں اور آپ کو سچا راستہ اختیار کرنے کی نصیحت کروں اور سب سے زیادہ آپ ہی کا فریضہ بنتا ہے کہ آپ میری بات مانیں۔

ابو طالب نے کہا:

"میرے بھتیجے! میں اپنے باپ دادا کے مذہب اور ان کے راستہ کو نہیں چھوڑ سکتا مگر جب تک میں زندہ ہوں تمہیں نقصان نہیں ہونے دوں گا"۔

اس کے بعد ابو طالب اپنے بیٹے حضرت علیؓ کی طرف مڑے اور ان سے کہا۔

"بیٹے! تم جس دین پر چل رہے تم اسے کیا سمجھتے ہو؟"

حضرت علیؓ نے جواب دیا:

میں خدا اور اس کے رسول پر ایمان لایا ہوں اور خدا کے رسول کے ساتھ میں نے خدا کے لئے نماز پڑھی ہے کیوں کہ جو کچھ یہ کہتے ہیں میں اس کی تصدیق کرتا ہوں"

ابو طالب نے کہا:

"یہ تمہیں کبھی برائی کی طرف نہیں بلائیں گے بلکہ ہمیشہ تمہاری بھلائی کی بات کریں گے، اس لئے ان کی فرمانبرداری اور اطاعت کرو"

مسلمان جب نماز پڑھتے تھے تو قریش ان کا مذاق اڑاتے تھے جب وہ رکوع اور سجدہ کرتے تو ہنستے تھے ان کی یہ حرکتیں بڑھ گئیں وہ مکہ کی پہاڑیوں میں جاتے

جہاں مسلمان ظہر اور عصر کی نماز پڑھتے تھے وہ مسلمانوں کو نماز پڑھتے دیکھ کر آوازیں کستے اور پھر زور زور سے قہقہے لگاتے، ایک روز عراک کے مقام پر مشرکین نے مسلمانوں پر دھاوا بول دیا اس وقت مسلمان نماز پڑھ رہے تھے مسلمانوں میں حضرت سعد بن وقاص بھی تھے جو بے حد جوشیلے نوجوان تھے انہوں نے جب یہ دیکھا تو ایک مشرک کو اس قدر مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا اور زخم سے خون بہہ نکلا مشرکین یہ دیکھ کر ایک دم ٹھنڈے پڑ گئے اور وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے یہ پہلا خون تھا جو اسلام کے راستہ میں بہایا گیا۔

چونکہ مشرکین مسلمانوں کے ساتھ ایذا رسانیوں کا معاملہ کرتے تھے اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو ان سے دور رکھا کرتے تھے اور ان سے چھپ کر حضرت ارقم بن ابی ارقم کے مکان میں صحابہ کو جمع کرتے تھے اور قرآن کریم کی جو آیتیں نازل ہو چکی تھیں وہ انہیں سنایا کرتے تھے یا کوئی نئی وحی آئی تو وہ سنایا کرتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملے ہوئے تین سال ہو گئے تھے اب یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہ گئی تھی کہ آپ ایک نئے دین کی تبلیغ کر رہے ہیں بلکہ سب کو معلوم ہو گیا تھا کہ آپ کے ماننے والوں کی تعداد کافی بڑھ گئی ہے اور مسلمان مضبوط ہوتے جا رہے ہیں اسی لئے حق تعالیٰ شانہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم سنایا کہ کھل کر اسلام کی اشاعت اور تبلیغ کا کام کریں۔

آغاز دعوت

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ، وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ

ترجمہ: اور آپ اپنے نزدیک کے کنبے کو (اس مضمون سے) ڈرایئے اور ان لوگوں کے ساتھ فروتنی سے پیش آیئے جو مسلمانوں میں داخل ہو کر آپ کی راہ پر چلیں اور اگر یہ لوگ (جن کو آپؐ نے ڈرایا) آپ کا کہنا نہ مانیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں

تمہارے اعمال سے بے زار ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے اس حکم کے سامنے سر جھکا دیا اور کچھ دن تک اپنے گھر میں گوشہ نشین رہ کر یہ غور فرماتے رہے کہ اپنے خاندان والوں اور رشتہ داروں کو تبلیغ کرنے کی ابتداء کس طرح کریں اور کیا کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گوشہ نشین ہو جانے کی خبر آپ کی پھوپھیوں کو ہوئی وہ سمجھیں کہ آپ کی طبیعت شاید علیل ہو گئی اس لئے مزاج پرسی کے لئے آئیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں اپنے خاندان والوں اور قریبی رشتہ داروں کو خدا کے عذاب سے ڈراؤں، اب میں یہ سوچ رہا ہوں کہ ان سب لوگوں کو اپنے گھر بلاؤں اور پھر جیسا کہ خدا نے مجھے حکم دیا ہے انہیں اس کے عذاب سے ڈراؤں"

ان عورتوں نے کہا:

"ضرور بلاؤ لیکن اپنے چچا عبدالعزیٰ یعنی ابولہب کو ہرگز نہ بلانا اس لئے کہ وہ تمہاری کوئی بات نہیں سنے گا"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کو کھانے کی دعوت دی اور انہیں اپنے گھر بلایا آنے والوں میں ابولہب بھی تھا، جب سارے لوگ کھانے سے فارغ ہوئے تو آپ نے ان کو خدا کا پیغام سنایا لیکن ابولہب نے آپ کی بات سننے کے بجائے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھانے کے لئے یہ موقع غنیمت جانا اس نے جلدی سے بات شروع کی اور کہا "محمدؐ! یہ سب لوگ تمہارے چچا اور چچا زاد بھائی ہیں اس لئے ایسی بات کہو جس کی یہ سب تم سے امید کرتے ہیں اور اپنے باپ دادا کے جس دین کو تم چھوڑ بیٹھے اسے دوبارہ اختیار کر لو اس لئے کہ میں سمجھتا ہوں کہ جو برائی تم نے اپنے بھائی بندوں اور رشتہ داروں کے ساتھ کی ہے، شاید ہی کسی نے کسی سے کی ہو یاد رکھو کہ ہم لوگوں میں اتنی طاقت ہرگز نہیں کہ عربوں کے ساتھ

لڑیں یاد رکھو کہ اگر تم نے یہ باتیں نہ چھوڑیں تو مجبور ہو کر تمہارے ہی بھائی اور رشتہ دار تمہیں پکڑ کر کسی جگہ بند کر دیں گے ان کے لئے تمام عرب سے لڑنے کے بجائے یہ بات بہت آسان ہوگا"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ آپ بھی کچھ فرمائیں اور سچائی کا جو پیغام آپ ان کو سنانے والے تھے وہ ان کو سنائیں اور ان کی برائیوں پر مطلع کر دیں لیکن آپ کو اس کا موقع ہی نہ مل سکا۔

ابولہب نے آپؐ کے بارے میں بھڑکانا شروع کیا اور لوگوں سے واہیں چلنے کے بارے میں کہا اس پر سب لوگ اٹھ کر چلے گئے اور آپؐ نے جس مقصد کے لئے لوگوں کو جمع کیا تھا وہ پورا نہ ہو سکا۔

کچھ ہی دنوں کے بعد آپؐ نے ان سب لوگوں کو دوبارہ جمع فرمایا جب سب لوگ آگئے تو آپؐ نے ان کے سامنے پیغام خداوندی سنانے کیلئے کھڑے ہوئے۔

آپؐ نے فرمایا:

"ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ ایک رہبر خود اپنے ہی قافلے سے جھوٹ بول کر اسے بھٹکا دے اس خدا کی قسم! جو تنہا ہے اور بے ہمسر ہے مجھے خدا تعالیٰ نے تمہارے اور ساری دنیا کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔

خدا کی قسم! عبد المطلب کی اولاد دنیا میں کوئی بھی شخص اپنی قوم کے لئے اتنی اچھی چیز لیکر نہیں آیا جیسے میں تمہارے لئے لیکر آیا ہوں میں آپ سب کے لئے دنیا اور آخرت کی بھلائی لایا ہوں مجھے میرے خدا نے حکم دیا ہے کہ میں آپ لوگوں کو اس کی طرف بلاؤں اب آپ بتایئے کہ آپ میں سے کون ہے جو میرا ساتھ دے گا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اتنا فرما کر خاموش ہو گئے اور رشتہ داروں اور عزیزوں کے چہروں کو دیکھنے لگے تا کہ اندازہ کر سکیں کہ

ان میں سے کس کا دل ایمان کی طرف جھکا ہے؟

ان میں سے کس نے اسلام کو اپنے دل میں جگہ دی ہے؟

ان میں سے کون میرا ساتھ دینے پر تیار ہو گا؟
ان میں سے کون میری بات جانتا ہے اور میرا خلیفہ بنتا ہے؟
مگر کسی بھی رشتہ نے آپ کی آواز پر ہاتھ نہیں اٹھایا اور کوئی بھی آپ کی بات ماننے کے لئے تیار نہ ہوا۔ اسی وقت مجمع سے ایک کم سن بچہ کھڑا ہوا اس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر لبیک کہا اور بولا:

"اے خدا کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ کا پورا پورا ساتھ دوں گا"

"یہ ابو طالب کے بیٹے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے"

ان کی یہ بات سنتے ہی سب نے ایک دم کھل کھلا کر ہنسنا شروع کر دیا کچھ لوگوں نے ابو طالب کی طرف دیکھا اور مذاق اڑانے کے انداز میں ان سے کہا:

"کیوں بھئی تم اپنے بھتیجے محمد کی پیروی کرو گے یا اپنے بیٹے علی کی؟"

اس کے بعد یہ دوسری مجلس بھی برخواست ہوئی، دعوت میں شریک ہونے والوں میں سے کسی نے بھی آپ کی بات نہیں مانی لیکن اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مایوس نہیں ہوئے بلکہ اپنے تبلیغ کے کام کو بدستور جاری رکھا۔

تبلیغ دین کے لئے ایک دن آپ کوہ صفا پر کھڑے ہوئے اور لوگوں کو آواز دی۔

"اے قریش والو! اے قریش والو!"

لوگوں نے ایک دوسرے سے پوچھا

"یہ کون آواز دے رہا ہے؟"

کسی نے بتایا:

"یہ محمدؐ ہے صفا کے پہاڑ پر سے پکار رہا ہے"

تمام لوگ ایک دم پہاڑ کے پاس آ کر جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے۔

"کیا بات ہے محمدؐ! کیوں پکار رہا ہے؟"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اگر تم سے میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے ایک لشکر آ رہا ہے جو آ تے

ہی تم پر حملہ بول دے گا تو کیا تم میری بات کا یقین کر لو گے؟"

ان لوگوں نے جواب دیا:

"ہاں! کیوں نہیں! ہم لوگوں نے کبھی تمہیں جھوٹا نہیں پایا"

آپؐ نے فرمایا:

تب پھر میں تمہیں ایک بہت بڑے عذاب سے ڈراتا ہوں جو آنے والا ہے۔

قریش والو! خود کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ اس لئے کہ میں کسی کو خدا کے غضب سے نہیں بچا سکتا، میں تمہیں یہ گواہی دینے کی دعوت دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور یہ کہ میں خدا کا پیغمبر اور رسول ہوں"

یہ سنتے ہی مجمع میں سے ابولہب کھڑا ہوا اور غصہ کے ساتھ چلا کر کہا:

"تَبًّا لَکَ اَلِھٰذَا جَمَعْتَنَا برباد ہو تو کیا اسی واسطے ہمیں یہاں جمع کیا تھا؟"

اس کے بعد ابولہب نے آپ کو بولنے نہیں دیا بلکہ اور زیادہ زبان درازی کی اور آپ کو جھٹلانے لگا، ابولہب کی اس بات پر حضرت جبرئیل آپ کو یہ بتانے آئے کہ خدا نے ابولہب کا ٹھکانہ کہاں بنایا ہے چنانچہ آپؐ پر وحی نازل ہوئی۔

تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَھَبٍ وَّتَبَّ مَا اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا کَسَبَ، سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَھَبٍ

ترجمہ: "ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہو جائے نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اسکی کمائی اور آخرت میں عنقریب ایک شعلہ زن آگ میں وہ داخل ہوگا"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کا کام جاری رکھا اس کام میں آپ کو جو کامیابیاں حاصل ہوئیں، اس سے مشرکوں کے دلوں پر چھریاں چل رہی تھیں انہیں یہ بات ناگوار ہو رہی تھی کہ لوگ مسلسل اس نئے دین میں داخل ہونے جا رہے ہیں انہیں اپنی بے عزتی اور اپنے بتوں کی توہین پر سخت غصہ آرہا تھا وہ اپنی اور اپنے خاندانوں کی عظمت اور بڑائیاں بیان کیا کرتے تھے چنانچہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ محمدؐ کو تکلیفیں پہنچائیں گے ان کا اور ان کے دین کا مذاق اڑائیں گے اور انہیں برا بھلا

جائیں گے۔

مشرکوں نے اپنے شاعروں کو ابھارا کہ وہ رسول خدا کی شان میں بری بری باتیں لکھیں، اپنے شعروں میں آپ کی توہین کریں، بیچ اور گندی چیزیں آپ کی شان میں لکھیں اس کے علاوہ وہ پروپیگنڈہ شروع کیا کہ آپ (نعوذ باللہ) جھوٹے نبی ہیں آپ پر الزام لگایا کہ آپ (نعوذ باللہ) پاگل ہیں یا جادوگر ہیں اور آپ شہرت حاصل کرنے کے لئے یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔

ایک دن مشرکوں کا ایک گروہ آپ کے بارے میں باتیں کرنے کے لئے آکر کعبہ میں جمع ہوا، طے ہوا کہ کچھ لوگوں کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا جائے جو ان سے بحث کریں اگر وہ سچے ہیں تو اپنی بات کو سچ ثابت کرنے کے لئے کوئی نشانی دکھائیں تاکہ آپ کی تصدیق ہو سکے اور وہ جھوٹے ہیں تو پھر ہم لوگوں نے ان کو ستانے کا پروگرام بنایا ہے وہ ہرگز غلط نہیں ہے نہ اسے کوئی کمینہ پن کہہ سکے گا، نہ ظالمانہ کاروائی۔

اس فیصلہ کے بعد انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا آپ کو خیال ہوا کہ جس سچائی کی طرف میں نے ان کو بلایا تھا شاید اس کو انہوں نے سمجھ لیا ہے اور وہ اس پر ایمان لے آئیں گے لیکن وہاں پہنچ کر آپ کو بڑی مایوسی ہوئی۔

ان لوگوں نے کہا:

"محمدؐ! جس قسم کی حرکتیں تم اپنی قوم کے ساتھ کر رہے ہو شاید ایسی حرکتیں اس سے پہلے کبھی کسی نے نہیں کی ہوں گی، تم نے مذہب میں عیب نکالے خداؤں کو برا بھلا کہا، باپ دادا کو گالیاں دیں، اور اپنی قوم میں پھوٹ ڈال دی، غرض کوئی بری سے بری حرکت ایسی نہیں جو تم نے نہ کی ہو اس کے باوجود ہمیں دیکھو کہ ہم تمہیں دولت، عزت، اور سرداری سب کچھ دینے کو تیار ہیں اس لئے اگر تمہیں دولت چاہئے تو ہم دولت دینے کو تیار ہیں جس سے تم دولت مند ہو جاؤ گے اگر تم عزت اور بڑائی چاہتے ہو تو ہم

تمہیں اپنا سردار بنانے کو تیار ہیں اور اگر تمہیں کوئی بیماری ہے یا تم پر آسیب وغیرہ کا اثر ہے تو ہم اپنے روپیہ سے تمہارا علاج کرنے کی کوشش کریں گے تا کہ یہ بیماری جاتی رہے اور تم تندرست ہو جاؤ"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سن کر بہت افسوس ہوا کہ یہ لوگ آپؐ پر اس قسم کے الزامات لگا رہے ہیں آپ نے فرمایا:

"جو کچھ تم کہہ رہے ہو ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے نہ مجھے تمہاری دولت کی ضرورت ہے، نہ عزت درکار نہ ہی میں تمہارا سردار بننا چاہتا ہوں مجھے تو خدا تعالیٰ نے تم لوگوں کے پاس پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم لوگوں کو خدا کے عذاب سے ڈراؤں اور اچھے کاموں کے بدلہ میں ثواب کی خوشخبری سناؤں۔

اب مشرکین نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے طرح طرح کے مطالبات شروع کر دیے اور اصرار کیا کہ اگر تم واقعی یہ چاہتے ہو کہ ہم مسلمان ہو جائیں اور تمہاری بات مان لیں تو ہمارے مطالبے پورے کر دو تا کہ معلوم ہو کہ تم خدا کے سچے پیغمبر ہو اور تمہیں خدا نے لوگوں کو سیدھا راستہ بتانے کے لئے نبی بنا کر بھیجا ہے۔

چنانچہ بعض نے کہا:

"اپنے خدا سے کہو کہ وہ ہمارے لئے زمزم سے بھی زیادہ میٹھا پانی کا ایک چشمہ جاری کر دے اور یہاں شام اور عراق کی طرح پانی کی نہریں بہنے لگیں"

بعض نے کہا:

"تم نبی ہو اپنے خدا سے کہو وہ تمہارے لئے جنتیں اور بڑے بڑے محل بنا دے تمہیں سونے چاندی کے خزانے دے تا کہ تم آرام اور سکون کے ساتھ زندگی گزار سکو، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ تم بھی ہماری طرح اپنی گزر بسر کے لئے اور کھانے پینے کی تلاش میں بازاروں میں گھوما کرتے ہو"

بعض نے کہا:

"یہ جو کچھ پڑھتے اور کہتے ہو یہ سب تمہیں رحمٰن نامی وہ شخص سکھاتا ہے جو

باغ ہو جس میں رہتا ہے ہم اس کا بالکل اعتبار نہیں کرتے ہمیں جب یقین آئے گا کہ تم ہمارے سامنے آسمان پر جاؤ اور وہاں سے ہمارے پڑھنے کے لئے ایک کتاب لیکر آؤ"

بعض نے کہا:

"ہم فرشتوں کی عبادت کریں گے جو خدا کی بیٹیاں ہیں تمہارا یقین ہم اس وقت تک نہیں کریں گے جب تک تم خدا اور فرشتوں کو ہمارے پاس لیکر نہیں آؤ گے، یا ہم پر کوئی مصیبت نازل کرا دو تا کہ ہم بھی اس عذاب اور خدا کے بدلہ کو دیکھیں جس سے تم ہمیں ڈرایا کرتے ہو"

بعض ظالموں نے اپنے ساتھیوں سے یہاں تک کہہ دیا:

"تم لوگ ایک آسیب زدہ آدمی کی پیروی کرنا چاہتے ہو"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"خدا کی قسم! میں صرف ایک انسان ہوں اور خداوند تعالیٰ کا پیغمبر ہوں"

خدا تعالیٰ نے آپؐ پر یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

تَبَارَکَ الَّذِیْ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَکَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِکَ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَیَجْعَلْ لَّکَ قُصُوْرًا

ترجمہ "وہ ذات بڑی عالیشان ہے، اگر وہ چاہے تو آپ کو (کفار کی) اس فرمائش سے (بھی) اچھی چیز دیدے یعنی بہت سے (غیبی) باغات جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں اور آپ کو بہت سے محل دیدے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

جمادی الثانی

کفار کے مظالم

الحمدللہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین

امابعد!

حضرات! ایمان قبول کرنے والوں پر کفار ومشرکین نے ایسے ظلم کئے کہ سن کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور پتھر کا دل بھی لرز اٹھتا ہے انہیں قید میں ڈال کر بھوکا پیاسا مارتے، تپتے ہوئے پتھروں اور ریت پر انہیں لٹاتے اور آگ کی طرح تپتی ہوئی اور گرم گرم سلاخوں سے ان کے جسموں پر کچوکے لگاتے اور پھر انہیں پانی میں ڈبودیتے تھے۔

ان مسلمانوں میں اکثر لوگ نہایت مضبوط ایمان اور مضبوط دل کے تھے، وہ بڑی سے بڑی مصیبت اور تکلیف سہتے، سخت سے سخت مظالم برداشت کرتے مگر اپنی بات سے پھرنا گوارہ نہ کرتے، اپنے خدا اور رسول کا جو عشق اور جو محبت ان کے دل میں گھر کر چکی تھی وہ بڑے سے بڑے ظلم کے بعد بھی نہ نکل سکی، نہ وہ مشرکوں کے سامنے جھکے اور نہ انہوں نے اپنے دین کو چھوڑا بلکہ نہایت مضبوطی سے ایمان اور اسلام پر قائم رہے، حضرت عمار بن یاسرؓ ان کے والد حضرت یاسرؓ اور ان کی والدہ حضرت سمیہؓ یہ لوگ شروع ہی میں مسلمان ہوچکے تھے چنانچہ قبیلہ بنی مخزوم کے لوگ ان کے ساتھ یہ سلوک کرتے تھے کہ ان کے کپڑے اتار دیتے، اور جب دوپہر کی جھلسادینے والی گرمی تیز ہوجاتی تو انہیں آگ کی طرح تپتے ہوئے پتھروں پر لٹادیتے، کبھی انہیں آگ میں جلاتے اور کبھی پانی میں ڈالتے تھے اگر ادھر سے نبی کریم ﷺ کا گذر ہوتا اور

انہیں یہ خوفناک عذاب سہتے ہوئے دیکھتے تو فرماتے:

"اے یاسر کی اولاد! صبر کرو تمہارا ٹھکانہ جنت ہے"۔

تکلیفیں سہتے سہتے حضرت یاسرؓ کا انتقال ہو گیا یہ دیکھ کر ان کی بیوی سمیہ نے جہل کو بہت کچھ برا بھلا کہا، ابوجہل اس وقت کوئی ہتھیار لئے ہوئے حضرت سمیہؓ پاس کھڑا تھا، یہ سنا تو طیش میں آ کر ہتھیار سے حضرت سمیہؓ پر بھی وار کیا وہ اس گھاؤ داشت نہ کر سکیں اور اسی وقت جاں بحق ہو گئیں اس طرح حضرت سمیہؓ اسلام کے نے میں شہید ہونے والی پہلی خاتون ہیں۔

حضرت خبابؓ بن ارت کی مالکن لوہے کی سلاخیں آگ میں گرم کرتی اور پھر سے حضرت خبابؓ کے جسم پر دہکا کے لگاتی، حضرت خبابؓ نے اپنی یہ مصیبت نبی کریم ﷺ سے بیان کی تو آپ نے حق تعالیٰ سے دعا فرمائی:

"خدایا! خباب کی مدد فرما"

آپ کے دعا فرمانے کے بعد اچانک حضرت خبابؓ کی مالکن کے سر میں کوئی ف ہو گئی حکیموں نے اس کا علاج یہ بتایا کہ تپتی ہوئی سلاخیں لگوایا کرے، چنانچہ م حضرت خبابؓ کے سپرد کیا، آپ لوہے کی سلاخیں گرم کر کے اس کے سر میں گے لگایا کرتے تھے۔

حضرت بلالؓ کا مالک امیہ بن خلف جمحی ایک مغرور اور سنگدل رئیس مکہ تھا، م قبول کرنے کے جرم میں وہ حضرت بلالؓ کو بھوکا پیاسا مارتا اور پھر اسی حالت انہیں باہر لیجاتا، دوپہر کو جب گرمی پورے شباب پر ہوتی تھی اور مکہ کے پتھر آگ طرح گرم ہو جاتے تو وہ حضرت بلالؓ کو ان تپتے ہوئے پتھروں پر ننگے بدن سیدھا تا اور پھر بہت بڑا پتھر منگوا کر ان کے سینے پر رکھ دیتا، پھر حضرت بلالؓ سے کہتا:

"یا تو محمد کے نبی ہونے کا انکار کرو اور لات و عزیٰ کی پرستش کرو ورنہ اسی ح تکلیفیں دے دے کر مار ڈالوں گا"

حضرت بلالؓ یہ سختیاں جھیلتے رہتے اور صرف اتنا کہتے:

"اَحَدٌ اَحَدٌ اَحَدٌ وہ ایک ہے، وہ ایک ہے، وہ ایک ہے"

حضرت بلالؓ کو جتنی دیر بھی عذاب دیا جاتا رہتا وہ یہی ایک لفظ دہراتے رہتے، اس لفظ سے ان کو سکون ملتا تھا، اس کے ذریعہ وہ عذاب کی تلخیوں کو ایمان کی مٹھاس سے بدل دینا چاہتے تھے، نبی کریم ﷺ وہاں سے گذرتے اور حضرت بلالؓ کو یہ بھیانک سختیاں جھیلتے دیکھ کر فرماتے:

"ہاں خدا کی قسم! بلال، وہ ایک ہی ہے، وہ ایک ہی ہے"۔

اس کے بعد وہ حضرت بلالؓ کے مالک امیہ بن خلف کے پاس جاتے اور اس سے کہتے:

"خدا کی قسم! اگر تم نے بلال کو اسی حالت میں قتل کر دیا تو میں اس کی قبر کو بہت متبرک زیارت گاہ بناؤں گا"

حضرت بلال اسی طرح مصیبتیں جھیلتے رہتے، یہاں تک کہ ایک روز امیہ بن خلف کے پاس حضرت ابوبکر صدیق آئے اور اس سے کہا:

"کیا اس غریب کو ستاتے ہوئے تمہیں خدا کا خوف نہیں آتا"

امیہ بن خلف بولا:

"تم نے ہی اسے خراب کیا ہے تم خود ہی اسے بچاؤ"

حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا:

"میرے پاس ایک غلام ہے جو تمہارے ہی مذہب کا ہے میں وہ تمہیں اس کے بدلہ میں دے دوں گا"

امیہ بن خلف نے کہا:

"مجھے منظور ہے تم اسے لے جا سکتے ہو"

حضرت ابوبکر صدیق نے اپنا غلام فسطاس رومی، امیہ بن خلف کو دیدیا اور بدلہ میں حضرت بلالؓ کو لیکر انہیں آزاد کر دیا، اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق نے بہت سے ایسے غلام خریدے جو کمزور قسم کے تھے اور مسلمان ہونے کی وجہ سے طرح

طرح کی مصیبتیں اٹھا رہے تھے، ان کو خرید کر آپ نے آزاد کر دیا، یہ دیکھ کر حضرت ابو بکر صدیق کے والد نے بیٹے سے کہا:

"بیٹے میں دیکھ رہا ہوں کہ تم کمزور اور ضعیف قسم کے لوگوں کو خرید کر آزاد کر رہے ہو اگر تم اس کی بجائے طاقتور، مضبوط اور بہادر لوگوں کو آزاد کرتے تو وہ تمہارے کام آتے تمہارا ساتھ دیا کرتے، اور تمہاری طرف سے لڑتے"

حضرت ابو بکر صدیق نے جواب دیا:

"میں جو کچھ کر رہا ہوں صرف خدا کے لئے کر رہا ہوں"

اس وقت نبی کریم ﷺ پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى وَلَسَوْفَ يَرْضٰى

"اور بجز اپنے عالیشان پروردگار کی رضا جوئی کے اس کے ذمہ کسی کا احسان نہ تھا کہ (اس کا بدلہ اتارنا) مقصود ہو"

نبوت کے چھٹے سال کا ذکر ہے ایک روز ابو جہل نے نبی کریم ﷺ کو صفا پہاڑی کے قریب تنہا دیکھا آپ کو دیکھتے ہی ابو جہل ایک دم آپے سے باہر ہو گیا، اور آپ کو گالیاں دینے اور آپ پر گوبر، مٹی اچھالنے لگا، نبی کریم ﷺ نے نہ تو اس کی طرف دیکھا اور نہ اس کا کوئی جواب دیا، اس پر ابو جہل کو اور زیادہ طیش اور غصہ آیا اسی جنون میں اس نے زمین سے ایک بڑا پتھر اٹھایا اور آپ کے مارا اس کے ساتھ ہی آپ کو گالیاں بھی دیتا اور اول فول بھی بکتا جاتا تھا، ادھر عبداللہ بن جدعان تیمی کی بیٹی اپنے گھر میں یہ سب کچھ دیکھ اور سن رہی تھی، عبداللہ بن جدعان حضرت ابو بکر صدیق کا چچازاد بھائی اور قریش کے باعزت اور دولت مند لوگوں میں سے تھا، ساتھ ہی یہ بڑا عیاش طبیعت اور بدکار آدمی تھا، یہ باندیاں خریدا کرتا تھا اور قبیلہ قریش کے نوجوانوں کے لئے ان سے پیشہ کراتا تھا۔

اس باندی کو یہ منظر دیکھ کر بے حد دکھ اور افسوس ہوا کہ خدا تعالیٰ کے رسول

کے ساتھ یہ بے جا حرکت اور زیادتی کی، انہیں دنوں اس باندی کا دل بھی اسلام کی طرف مائل ہوا لیکن وہ اپنے مالک جدعان سے بہت ڈرتی تھی اس لئے اپنے اسلام کا اظہار نہیں کرتی تھی۔

وہ اپنے گھر کے دروازے پر کھڑی اسی کے متعلق سوچ رہی تھی کہ اچانک اس نے جبل ابو قبیس کی طرف سے آنے والے راستے پر قدموں کی آواز سنی اور ایک بھاری بھرکم اور طاقت ور شخص کو آتے دیکھا سیاہ آنکھیں، چوڑا چکلا سینہ، اور چہرہ سے رعب اور ہیبت ٹپک رہی تھی، آنے والے کی بغل میں تلوار اور ایک طرف تیر کمان لگی ہوئی تھی باندی نے فوراً پہچان لیا کہ آنے والے رسول اللہ کے چچا اور شیر قریش حضرت حمزہ بن عبد المطلب ہیں جو رسول اللہ کے رضاعی بھائی بھی تھے، کیونکہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی سب سے پہلی دایہ ثوبیہ کا دودھ پیا تھا حضرت حمزہؓ شکار سے واپس آرہے تھے اور کعبہ میں جا رہے تھے کیونکہ آپ کی عادت یہ تھی کہ شکار سے واپسی پر اپنے گھر جانے سے پہلے کعبہ کا طواف کیا کرتے تھے اور وہاں قریش کے جو بڑے بڑے لوگ موجود ہوتے تھے ان سے ملا کرتے تھے جب حضرت حمزہؓ باندی کے قریب پہنچے تو اس نے کہا:

''ابو عمارہ (حضرت حمزہ کی کنیت) کیا تم لوگوں میں سے شرافت اور خودداری بالکل ختم ہوگئی یہاں تک کہ قبیلہ بنی مخزوم کے بدمعاش لوگ محمد کو تکلیفیں پہنچاتے ہیں اور تم اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتے''

حضرت حمزہؓ چلتے چلتے رک گئے اور باندی سے پوچھا:

''کیا کہہ رہی ہے تو ابن جدعان کی باندی؟''

باندی نے کہا:

''کیا تم کو معلوم ہے کہ ابوجہل نے ابھی تمہارے بھتیجے کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے، وہ ابھی ابھی یہاں سے گذر رہے تھے کہ ابوجہل نے انہیں گالیاں دیں، پتھر مارے اور ان کو بہت ستایا''

حضرت حمزہؓ نے پوچھا:

"کیا جو کچھ تم کہہ رہی ہو وہ تم نے خود دیکھا ہے"

باندی نے جواب دیا:

"ہاں! ابوجہل نے جو کچھ کیا ہے وہ میں نے خود دیکھا ہے اور اس نے جو کچھ کہا ہے وہ خود سنا ہے"

یہ سن کر حضرت حمزہؓ جوش و غضب میں بھر گئے اور وہاں سے سیدھے کعبہ پہنچے وہ اپنی عادت کے مطابق نہ کسی کے پاس ٹھہرے اور نہ کسی کو سلام کیا بلکہ سیدھے ابوجہل کے پاس پہنچے جو اپنے آدمیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، حضرت حمزہ نے غصہ میں کمان ہی اس کے سر پر دے ماری جس سے اس کا سر پھٹ گیا، اور اتنا خون نکلا کہ خون سے تر بتر اور سرخ ہو گیا، حضرت حمزہؓ نے غضبناک ہو کر ابوجہل سے کہا:

"تو میرے بھتیجے کو گالیاں دیتا ہے جبکہ وہ تیرے حق میں اپنی زبان بند رکھتا تو اس کو تکلیفیں پہنچاتا ہے جو تجھے بھلائی کی طرف بلاتا ہے"

ابوجہل نے حضرت حمزہؓ کو غضبناک دیکھ کر اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا:

"بات یہ ہے کہ محمد ہم لوگوں کو بے عقل بتاتا ہے، ہمارے خداؤں کو گالیاں دیتا ہے ہمارے باپ دادا کے بتائے راستوں کے خلاف چلتا ہے، یہاں تک کہ اس نے ہمارے غلام باندیوں کو بھی ہم سے بیزار کر دیا ہے"

حضرت حمزہ بولے:

"مگر تم سے زیادہ بے وقوف اور بے عقل کون ہوگا کہ تم خدا تعالیٰ کے بجائے پتھروں کو پوجتے ہو گواہ رہنا کہ آج سے میں اپنے بھتیجے کے ساتھ ہوں اسی کے دین پر رہوں گا اور اسی کے دین پر مروں گا"

حضرت حمزہ نے سینکڑوں آدمیوں کے مجمع میں اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا اس زمانہ میں نبی کریم ﷺ حضرت ارقم بن ارقم کے مکان میں تشریف فرما ہوا کرتے تھے، ابوجہل کو سزا دینے کے بعد حضرت حمزہؓ سیدھے پیغمبر خدا ﷺ کی خدمت

میں پہنچے اور بولے:

"بھتیجے خوش ہو جاؤ، آج میں نے عمرو بن ہشام (ابوجہل) سے تمہارا بدلہ لے لیا ہے"۔

یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"چچا! مجھے اس سے کیا خوشی ہوگی میری خوشی تو اس میں ہے کہ آپ سچے دین کی پیروی کریں اور بتوں کو چھوڑ دیں"

اگرچہ حضرت حمزہؓ قریش کے مجمع میں اپنے اسلام کا اعلان کر کے آئے تھے مگر وہ صرف نمائشی اعلان تھا، اسی لئے یہ سن کر وہ الجھن میں پڑ گئے اور اسی ادھیڑ بن میں بغیر کچھ جواب دیے ہوئے گھر واپس آ گئے، وہ رات حضرت حمزہؓ نے جاگتے جاگتے بڑی بے چینی سے گزاری، تمام رات دعا کرتے رہے کہ خدایا انہیں سیدھا راستہ دکھا اور سچائی پر چلتے رہنے کی توفیق عطا کر، صبح ہوئی تو حضرت حمزہؓ نے محسوس کیا کہ ان کے دل سے تمام شکوک و شبہات دور ہو گئے ہیں ان کا دل اسلام کی روشنی اور یقین سے جگمگا اٹھا ہے، صبح ہوتے ہی وہ سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کلمہ شہادت پڑھ کر اپنے مسلمان ہونے کا اقرار کیا اور عہد کیا کہ میں ہمیشہ رسول اللہ اور اسلام کی مدد کرتا رہوں گا"

حضرت حمزہؓ کے مسلمان ہونے سے نبی کریم ﷺ بیحد مسرور ہوئے، آپ اسلام کے اعزاز پر خوش ہو رہے تھے کہ قریش کا سب سے بہادر طاقتور، اور محبوب شخص اسلام کی آغوش میں آ گیا تھا آپ نے ان کے لئے دعا کی کہ خداوندا انہیں ثابت قدم رکھ۔

عمر ابن خطابؓ اور عمرو بن ہشام (ابوجہل) قریش میں بہت زیادہ بہادر اور طاقتور سمجھے جاتے تھے آپ نے ان دونوں کے لئے دعا فرمائی تھی۔

"خداوندا! ان دونوں میں سے جو تیرے یہاں پسندیدہ ہو اس کے ذریعہ اسلام کا بول بالا فرما"

مسلمانوں کی تعداد دن بدن بڑھ رہی تھی اسلئے قریش پریشان اور بے بس

ہو گئے تھے، ایک روز مشرکین کی ایک مجلس ہو رہی تھی اور عادت کے مطابق نبی کریم ﷺ ہی کا تذکرہ ہو رہا تھا، عرب کے سرداروں میں ایک مشہور شخص عتبہ بن ربیعہ تھا، اس نے کہا:

''قریش کے لوگو میرا خیال ہے کہ میں محمد کے پاس جاؤں اور اس سے گفتگو کروں، میں اس کے سامنے چند تجویزیں رکھوں گا، اگر وہ ان میں سے کوئی بھی صورت قبول کر لے تو ہم اس پر راضی ہو جائیں گے، ممکن ہے اس طرح وہ باز آ جائے اور ہمارے معاملات میں دخل دینا چھوڑ دے''

سب نے ایک زبان ہو کر کہا:

''ہاں! ابو ولید یہ ٹھیک ہے تم جاؤ اور اس سے بات کر کے دیکھو''

چنانچہ عتبہ اسی وقت نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور آپؐ سے کہنے لگا:

''میرے بھتیجے! یہ بات تم جانتے ہو کہ میرا تمہارا نسب اور ذات پات ایک ہے اور تم ہم ہی لوگوں میں سے ہو، مگر تم اپنی قوم کے لئے دردسر بن گئے ہو اور ان میں پھوٹ ڈال رہے ہو، اس لئے اب میں کچھ تجویزیں لیکر آیا ہوں ممکن ہے کہ تم ان میں سے کوئی بات مان لو''

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''کہئے! میں سن رہا ہوں''

عتبہ نے بات شروع کی:

''میرے بھتیجے! دیکھو جو کچھ تم کر رہے ہو اگر اس سے تمہارا مقصد یہ ہے کہ دولت جمع کر کے مالدار بن جاؤ تو ہم تمہارے لئے دولت اکٹھی کئے دیتے ہیں اگر تم عزت اور شہرت چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنا لیتے ہیں اور کبھی تمہارے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کریں گے اگر تمہیں ملک اور سلطنت کی ہوس ہے تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں اور اگر یہ سب آسیب یا جادو ہے جس سے تم خود مجبور ہو گئے ہو تو ہم تمہارے علاج کا انتظام کر دیتے ہیں''

غرض عتبہ نے سب وہی باتیں کہیں جو اس سے پہلے آپ سے کہی جا چکی تھیں، جب عتبہ خاموش ہوا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''ابو ولید! اب میری بات سنو!''

اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے سورہ سجدہ کی تلاوت فرمائی اور عتبہ سنتا رہا، وہ کلام الٰہی کی خوبصورتی اور ہیبت سے مبہوت ہو کر رہ گیا جب آپ پڑھ چکے تو عتبہ وہاں سے واپس ہوا لیکن اب اس کا ذہن اور خیالات بالکل بدل چکے تھے اور وہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کچھ اور ہی رائے لیکر گیا جب وہ قریش کی مجلس میں پہنچا تو انہوں نے اس کی صورت دیکھ کر ایک دوسرے سے کہا:

''خدا کی قسم! ابو ولید کے چہرے کا رنگ تو بدلا ہوا ہے''

اس کے بعد ان لوگوں نے عتبہ سے پوچھا:

''ابو ولید! کیا خبر لائے ہو؟''

عتبہ بولا:

''خدا کی قسم! میں نے ایسا کلام سنا ہے جو میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں سنا تھا میں قسم کھاتا ہوں کہ نہ تو وہ شاعری ہے نہ جادو گری ہے اور نہ کوئی منتر وغیرہ ہے۔

قریش والو! اگر میری بات مانو تو اس شخص اور اس کے کاموں سے الجھنا چھوڑ دو اس کا معاملہ تم عربوں کے لئے چھوڑ دو، اگر عرب والے اس پر غالب آ گئے تو تمہاری مراد بھی پوری ہو جائے گی اور اگر وہ محمد کی بات مان کر اس کے پیرو بن گئے تو یہ بھی تمہارے ہی لئے فخر اور عزت کی بات ہو گی اس لئے کہ محمد بھی قریش میں سے ہے''

یہ سن کر قریش بولے:

''خدا کی قسم! ابو ولید اس نے اپنی گفتگو سے تم پر بھی جادو کر دیا ہے''

عتبہ نے کہا:

''میری اس معاملہ میں یہی رائے ہے اب آگے جو تمہارا جی چاہے کرو''

ہجرت

جب قریش کا ظلم و ستم حد سے بڑھ گیا تو نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کو اجازت دی کہ جو کوئی ہجرت کرنا چاہے وہ خدا کی اس زمین میں اپنے لئے کہیں پناہ ڈھونڈ لے ممکن ہے کہ اس طرح ہجرت کرنے والے مسلمانوں کو سکون مل جائے۔

صحابہؓ نے آپؐ سے پوچھا:

"یا رسول اللہ ﷺ ہم کہاں جائیں؟"

نبی کریم ﷺ نے ان کو مشورہ دیا کہ ملک حبشہ چلے جائیں آپ نے حبشہ جانے کا مشورہ اس لئے دیا کہ وہاں کا بادشاہ اگرچہ عیسائی تھا مگر انصاف پسند تھا اپنے ملک میں کسی پر ظلم نہیں ہونے دیتا تھا، لوگ اس کی حکومت میں آ کر آرام سے رہتے تھے قریش کے لوگ وہاں تجارت کے لئے بھی جایا کرتے تھے اور خوب نفع حاصل کرتے تھے۔

پہلی بار اجازت کے بعد جن لوگوں نے ملک حبشہ چھوڑا ان کی تعداد کل سولہ تھی جن میں بارہ مرد اور چار عورتیں تھیں ان مہاجروں میں نبی کریم ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ اور ان کے شوہر حضرت عثمان بن عفانؓ بھی تھے۔

قریش کے لوگوں کو اس ہجرت کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے مہاجروں کو گرفتار کرنے کے لئے ان کا پیچھا کیا مگر وہ اس میں ناکام رہے۔

کچھ عرصہ کے بعد مہاجر مسلمانوں کو حبشہ میں یہ خبر ملی کہ قریش کے لوگ بڑی تعداد میں مسلمان ہو گئے ہیں اس سے انہیں یہ خیال ہوا کہ اب شاید مکہ میں مسلمانوں کے لئے امن ہو گیا ہو گا اس لئے یہ مہاجر واپس آ گئے مگر آ کر دیکھا تو یہاں وہی حال تھا قریش کا ظلم و ستم پھر تیز ہو گیا نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو پھر حبشہ چلے جانے کا حکم دیا اس بار قریش کے ہاتھوں سے بچ نکلنا زیادہ مشکل تھا پھر بھی سو سے زیادہ مسلمان کسی نہ کسی طرح نکلنے میں کامیاب ہو گئے اور دوبارہ ملک حبشہ چلے گئے اور وہاں کے عیسائی بادشاہ نجاشی کی حکومت میں امن و سکون سے زندگی بسر کرنے لگے۔

قریش کو یہ بات نہایت ناگوار گذری اور وہ اس پر اور زیادہ بھڑک گئے اور حبشہ پہنچ گئے، تو سب سے پہلے یہ لوگ پادریوں اور راہبوں سے ملے اور انہیں خوب ہدیے، تحفے دیے تاکہ وہ ان کی حمایت کریں اس کے بعد وہ لوگ نجاشی سے ملے اور جو ہدیے لیکر آئے تھے وہ اس کو پیش کئے اور اس سے کہا:

''ہمارے کچھ بے ہودہ لوگ آپ کے ملک میں آکر چھپ گئے ہیں انہوں نے اپنی قوم کا مذہب بھی چھوڑ دیا ہے اور آپ کے دین کو بھی اختیار نہیں کیا بلکہ ایک نیا مذہب اختیار کیا ہے، جس کو نہ آپ جانتے ہیں نہ ہم، اب ہمیں ان کے باپ دادا اور خاندان والوں نے آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ آپ انہیں ہمارے حوالہ کر کے واپس کر دیں''

جیسے ہی یہ لوگ خاموش ہوئے فوراً ہی ان عیسائی پادریوں نے ان قاصدوں کی بات کی تائید کی اور بادشاہ پر زور دینا شروع کیا کہ یہ قاصد جس مقصد کے لئے آئے ہیں اسے مان لینا چاہئے، لیکن بادشاہ نے انکار کر دیا اور کہا کہ جب تک میں خود ان لوگوں سے پوچھ کچھ نہ کرلوں جو میری پناہ میں آئے ہیں اس وقت تک میں ان کو واپس نہیں کرسکتا، یہ دونوں قاصد سب سے زیادہ اس بات سے ڈر رہے تھے کہ کہیں بادشاہ ان لوگوں کو بھی نہ بلا لے، چنانچہ یہی ہوا کہ بادشاہ نے اسی وقت حکم دیا کہ ان لوگوں کو دربار میں حاضر کیا جائے تاکہ ہم ان کی بات بھی سن سکیں۔

مسلمان بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے تو شہنشاہ نجاشی نے ان سے پوچھا:

''وہ کون سا دین ہے، جس کی وجہ سے تم نے اپنی قوم کے مذہب کو بھی چھوڑ دیا اور میرے مذہب میں بھی داخل نہیں ہوئے''

یہ سن کر جعفر ابن ابی طالب نے بادشاہ کو جواب دیا:

''اے بادشاہ! ہم بالکل جاہل لوگ تھے، پتھروں کو پوجتے تھے اور مردار چیزوں کو کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، حقداروں کے حق پورے نہیں کرتے تھے، پڑوسیوں کو تنگ کرتے تھے ہم میں سے ہر طاقت ور شخص کمزور کو نگل لیتا تھا، ہم اسی

جاہل میں تھے کہ خدا نے ہم ہی میں سے ایک شخص کو اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا، یہی نہیں کہ ہم اس کے حسب ونسب کو جانتے ہیں بلکہ ہمیں اس کی سچائی، اس کی دیانت داری، اور اس کی پاکدامنی کا تجربہ ہے، اس نے ہمیں خدا تعالیٰ کی طرف بلایا کہ ہم اس کو ایک جانیں، ایک سمجھیں اور اسی کی عبادت کریں، اور اس کے سوا ہم اور ہمارے باپ دادا جن پتھروں کی پوجا کرتے ہیں انہیں چھوڑ دیں، خدا کے اس رسول نے سچائی اور ایمانداری کا حکم دیا حقداروں کے حقوق پورے کرنے کا حکم دیا، پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی ہدایت کی، انہوں نے ہمیں برے کام کرنے اور بے گناہوں کا خون بہانے سے منع کیا، بری باتیں کہنے اور برے کام کرنے سے روکا، یتیموں کا مال کھانے سے منع کیا، اور پاکدامن عورتوں اور لڑکیوں پر تہمت لگانے سے روکا، خدا کے اس رسول نے ہمیں نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا، چنانچہ ہم ان کو سچا جان کر ان پر ایمان لے آئے اور جو کچھ وہ خدا کے پاس سے لیکر آتے ہیں اس کو مان کر ان کی پیروی اختیار کر لی، اس پر ہماری قوم کے لوگ ہم سے ناراض ہو گئے، انہوں نے ہمیں طرح طرح کے عذاب دئے اور تکلیفیں پہنچائیں اور ہمارے اس دین کو مٹانے کی کوشش کی، تا کہ ہم پھر پتھروں کی پوجا شروع کر دیں، جب انہوں نے ہمارا جینا دوبھر کر دیا تو ہم آپ کے ملک میں آئے اور دوسرے بادشاہوں پر آپ کو ترجیح دی تا کہ امن کے ساتھ یہاں رہ سکیں"

حفیظ جالندھری نے حضرت جعفر طیار کی اس تقریر کو شاہنامہ اسلام میں اس طرح بیان کیا:

کہا اے بادشاہ ہم لوگ کافر اور جاہل تھے
ہم اس دار مشقت میں نکمے اور کاہل تھے
بہت بدکار تھے بت پوجتے مردار کھاتے تھے
شریفوں کو غریبوں کو ضعیفوں کو ستاتے تھے
یتیموں پر، غلاموں، لونڈیوں پر ظلم ڈھاتے تھے

پڑوسی زبردستوں کو زبردستی دکھاتے تھے
یہ حالت تھی برادر کا برادر جان لیوا تھا
گناہوں کا سمندر ناؤ کا شیطان کھیوا تھا
دقیقہ کونسا باقی رہا تھا ڈوب جانے میں
سہارا کوئی بھی حاصل نہ تھا ہم کو زمانہ میں
تکلف برطرف جاتے تھے ہم سیدھے جہنم میں
اسی اثناء میں اک سچا نبی پیدا ہوا ہم میں
نبی شہرہ ہے ساری قوم میں جس کی امانت کا
کوئی منکر نہیں جس کی صداقت کا ذہانت کا
نبی تشریف لایا دعوت اسلام دی ہم کو
نکالا موت کے پنجہ سے بخشی زندگی ہم کو
ہمیں تلقین کی اک دوسرے کے حق کو پہچانو
سبھی انسان ہو انسانیت دکھلاؤ نادانو
ہمیں اس نے نماز وروزہ کے ارکان سکھلائے
پسند آیا ہمیں یہ دین ہم ایمان لے آئے
بس اتنی بات تھی جس پر ہوئے اہل وطن دشمن
ہمیں بھی کھول کر دیتے رہے رنج ومحن دشمن
ہمیں مجبور کرتے ہیں کہ پھر گمراہ ہوجائیں
یہاں حاضر ہیں ہم اب آپ ہی انصاف فرمائیں

نجاشی بادشاہ نے حضرت جعفر طیارؓ کی تقریر سننے کے بعد پوچھا:
''کیا تمہارے پاس اس کلام کا کچھ حصہ ہے جو تمہارے نبی خدا کے پاس سے لیکر آتے ہیں؟ اگر ہو تو پڑھ کر سناؤ''
حضرت جعفر نے سورہ مریم میں سے کچھ آیتیں نجاشی کو پڑھ کر سنائیں، نجاشی

پر یہ آیتیں سن کر اتنا اثر ہوا کہ وہ رونے لگا، یہاں تک کہ روتے روتے اس کی ڈاڑھی تر ہوگئی، یہی حال ان پادریوں وغیرہ کا ہوا کہ روتے روتے ان کی ڈاڑھیاں اور ان کی مقدس کتابیں بھیگ گئیں۔

پھر نجاشی نے حضرت جعفرؓ سے کہا:

''خدا کی قسم اس کلام کا سرچشمہ بھی وہی ہے جو اس کلام کا تھا جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام لیکر آئے تھے''

پھر اس نے قریش کے دونوں قاصدوں سے کہا:

''تم لوگ فوراً چلے جاؤ میں خدا کی قسم ان لوگوں کو کبھی تمہارے حوالہ نہیں کروں گا''

اس طرح نجاشی نے مسلمانوں کو دشمنوں کے حوالہ کرنے سے انکار کردیا۔

رجب

معراج رسول

الحمدللہ رب العلمین و الصلوٰۃ و السلام علی سید المرسلین
و امام المتقین سیدنا و مولانا محمد و آلہ و صحبہ اجمعین

اما بعد!

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی
الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی الآیۃ

''پاک ہے وہ ذات جس نے راتوں رات سیر کرائی اپنے بندے کو مسجد حرام
سے مسجد اقصیٰ تک''

حضرات! اسلامی مہینوں کے اعتبار سے یہ رجب کا مہینہ ہے اس ماہ کی
ستائیسویں شب کو سرکار دو عالم ﷺ کو عرش پر آنے کی دعوت دی اور آپ کو معراج
جسمانی کے انعام سے نوازا۔

''معراج'' کے لغوی معنی انتہائی عروج کے ہیں دنیا میں جتنے بھی انبیاء
تشریف لائے، انہیں ان کی شان اور مرتبہ کے مطابق معراج نصیب ہوئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معراج آتش نمرود میں ہوئی۔

یوسف علیہ السلام کو معراج کنویں میں ہوئی۔

یونس علیہ السلام کو معراج مچھلی کے پیٹ میں ہوئی۔

سلیمان علیہ السلام کو معراج ہوائی تخت پر ہوئی۔

موسیٰ علیہ السلام کو معراج کوہ طور پر ہوئی۔

سرورکائنات ﷺ وہ نبی ہیں کہ جن کو معراج عرش عظیم پر ہوئی۔

موسیٰ بطور رفت عیسیٰ بآسمان
معراج عرش خاص کمال محمد است

حضرات! ایک شب سرور کائنات ﷺ ام ہانی کے گھر بستر پر استراحت فرما رہے تھے، امام الانبیاء ابھی خواب اور بیداری کی ملی جلی کیفیت میں تھے کہ معراج کا بلاوا آ گیا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حکم خداوندی کے مطابق دروازے کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے چھت کا راستہ اختیار کیا اور سرکار دو عالم ﷺ کو کس طرح جگایا جائے، عام لوگوں کی طرح آپ کو جگانا آداب نبوی کے خلاف تھا، ادب احترام اور عقیدت کا تقاضہ یہ تھا کہ آقائے نامدار کو ان کی شان کے مطابق جگایا جائے حضرت جبرئیل نے ادب کے تمام پہلوؤں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے پر رسالت مآب ﷺ کے قدموں میں بچھا دیئے آپ کی آنکھ کھل گئی اس کے بعد حضرت جبرئیل وحضرت میکائیل آپ کو بیر زمزم کے پاس لے گئے جہاں سرور دو عالم ﷺ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا اور قلب مبارک نکالا گیا اس کو زمزم کے مقدس اور پاک پانی سے دھویا گیا حضور اقدس ﷺ خود فرماتے ہیں کہ:

''جبرئیل علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں نے میرے قلب سے کچھ نکالا اور کچھ ڈالا اور غسل قلب کے بعد اسے اصل جگہ رکھ کر درست کر دیا''

شق صدر کے بعد ایک بہشتی براق کا انتظام کیا گیا نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ:

''یہ براق خچر سے ذرا چھوٹا تھا''

سفید رنگ کا یہ بہشتی براق اس قدر تیز رفتار تھا کہ اس کا ایک قدم تا حد نگاہ پڑتا تھا، بعض حضرات نے براق کو برق کے ساتھ تشبیہ دی ہے، جس کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے، نبی کریم ﷺ جب اس پر سوار ہونے لگے تو وہ شوخی کرنے لگا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے براق کو مخاطب کر کے فرمایا:

''اے خوش نصیب براق! تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ تجھ پر فخر دو عالم سرور کائنات امام الانبیاء سوار ہونے والے ہیں''

یہ سن کر براق شرم سے پانی پانی ہو گیا، نبی کریم ﷺ اپنی سواری پر تشریف فرما ہوئے حضرت میکائیل علیہ السلام بھی آپ کے ساتھ تھے، ملائکہ کی ایک کثیر تعداد آپ کے جلو میں تھی، جبرئیل علیہ السلام نے رہنمائی کے فرائض انجام دیے، ایک روایت میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پیچھے سوار ہوئے۔

روایت میں آتا ہے کہ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کے سفر میں بعض عجائبات کا آپ کو نظارہ کرایا گیا، ایک روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ راستہ میں ایسی جگہ سے گذر ہوا جہاں کھجوروں کے درخت بکثرت تھے، جبرئیل امین نے کہا یہاں نماز پڑھ لیں یہ وہ جگہ ہے جسے یثرب کہتے ہیں یہی وہ جگہ ہے جہاں آپ ہجرت کریں گے۔

اس کے بعد قافلہ روانہ ہوا تو جبرئیل علیہ السلام نے بتایا کہ ہم وادیٔ سینا سے گذر رہے ہیں، اس جگہ آپ نے نماز پڑھی وہ جگہ شجر موسیٰ کے قریب تھی جہاں موسیٰ علیہ السلام حق تعالیٰ سے ہمکلام ہوئے تھے، کچھ دیر کے بعد آپ کا گذر مدین سے ہوا یہ حضرت شعیب کا مسکن تھا یہاں بھی آپ نے نماز ادا کی، ایک اور جگہ پہنچ کر جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو نماز ادا کرنے کے لئے کہا آپ نے نماز ادا کی، تو جبرئیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ مقام بہت اہم ہے یہاں حضرت عیسیٰ روح اللہ کی ولادت ہوئی تھی۔

عجائب سفر

نبی کریم ﷺ براق پر سوار جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک بڑھیا نے آپ کو آواز دی جبرئیل نے کہا کہ آگے بڑھئے جواب نہ دیجئے کچھ دور ایک بوڑھا نظر آیا اس نے بھی آپ کو آواز دی اس کی آواز پر بھی حضرت جبرئیل نے یہی کہا کہ آگے بڑھئے جواب نہ دیجئے، کچھ اور آگے چل کر ایک جماعت کے پاس سے آپ کا گذر ہوا، نبی کریم ﷺ کو ان الفاظ کے ساتھ سلام کیا۔

"یا اول السلام علیک، یا آخر السلام علیک، یا حاشر السلام علیک"

جبرئیل نے فرمایا کہ اس جماعت کے سلام کا جواب دیں، اس کے بعد جبرئیل

نے بتایا کہ:

''بوڑھی عورت دنیا تھی، اور بوڑھا مرد شیطان تھا، ان دونوں کا مقصد آپ کو اپنی طرف مائل کرنا تھا، اور وہ لوگ جنھوں نے سلام کیا تھا وہ آپ کے جد امجد حضرت ابراہیم ﷺ، حضرت موسیٰ ﷺ اور حضرت عیسیٰ ﷺ تھے''

بعض روایات میں راستہ میں آنحضرت ﷺ کا گزر ایک ایسی قوم کے پاس سے ہوا جن کے ناخن تانبہ کے تھے اور وہ اپنے چہروں اور سینوں کو ان ناخنوں سے چھیل رہے تھے نبی کریم ﷺ کے دریافت فرمانے پر حضرت جبرئیل نے بتایا کہ یہ دوسروں کی غیبت کرنے والے ہیں نبی کریم نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جو نہر میں تیر رہا تھا، اور پتھر کے نوالے اپنے منہ میں ڈال رہا تھا، جبرئیل نے بتایا کہ یہ سود خور ہے۔

اس کے بعد آپ کا گزر ایسی قوم پر ہوا جو بیج بوتی ہے اور ایک ہی دن میں فصل کاٹ لیتی ہے اور کھیتی پھر ویسی ہی سرسبز شاداب ہو جاتی ہے آپ نے جبرئیل امین سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل نے بتایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو ان کا عمل اتنا پسند ہے کہ ان کی ایک نیکی سات سو نیکی کے برابر ہو جاتی ہے، پھر آپ کا گذر ایسی قوم پر ہوا، جنکے سر پتھروں سے کچلے جا رہے تھے، کچلے جانے کے بعد ان کے سر اپنی اصلی حالت پر آ جاتے، نبی کریم ﷺ نے پوچھا جبرئیل یہ کون ہیں؟

جواب دیا گیا کہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو نماز میں سستی اور کاہلی اختیار کرتے ہیں اس کے بعد آپ کا گذر ایسی قوم پر سے ہوا جن کی زبانیں اور ہونٹ لوہے کی قینچیوں کے کاٹے جا رہے تھے اور کٹ جانے کے بعد دوبارہ ان کی زبانیں اور ہونٹ پہلی حالت پر آ جاتے ہیں، جبرئیل نے بتایا کہ کہ یہ آپ کی امت کے وہ خطیب اور واعظ ہیں جو دوسروں کو نصیحت کرتے ہیں اور خود عمل نہیں کرتے۔

معراج کی پہلی منزل

حضرات! نبی کریم ﷺ کی معراج کی پہلی منزل مسجد اقصیٰ تھی یہاں پہنچ کر جبرئیل

نے ایک پتھر میں اپنی انگلی سے سوراخ کیا اور پھر اس کے ساتھ براق کو باندھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی سواری کو وہاں کھڑا کیا گیا جہاں باقی انبیا کی سواریاں پہلے سے موجود تھیں آپ مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے کچھ دیر بعد حضرت جبرئیل نے اذان دی، نماز کے لئے صفیں درست ہوگئیں، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم اس انتظار میں کھڑے تھے کہ امامت کون کرے گا؟ جبرئیل امین نے میرا ہاتھ پکڑ کر مصلیٰ پر کھڑا کردیا جب میں نماز سے فارغ ہوا تو جبرئیل نے آقائے نامدار کو بتایا کہ دنیا میں جتنے بھی نبی مبعوث ہوئے ہیں سب نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی ہے ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ کی امامت میں ہونے والی نماز میں نہ صرف انبیاء شریک ہوئے بلکہ آپ کی آمد پر آسمان سے فرشتے بھی اترے جنہوں نے آپ کی اقتداء میں نماز ادا کی۔

ایک روایت ہے کہ نماز کے اختتام پر ملائکہ عرش نے جبرئیل امین سے پوچھا کہ آپ کے ہمراہ کون ہیں حضرت جبرئیل نے جواب دیا کہ یہ محمد رسول اللہ خاتم النبیین ہیں، نماز سے فراغت کے بعد انبیا علیہم السلام کا عظیم الشان اجلاس ہوا جس کی صدارت بھی آپ کو سونپی گئی سب سے پہلے حضرت آدم نے خدا تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

''پروردگار عالم نے مجھے اپنے دست مبارک سے پیدا کیا، پھر میری اولاد سے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

''حمد ہے اس ذات کی جس نے اپنا خلیل بنایا اور مجھے ملک عظیم عطا فرمایا اور اپنی کبریائی سے آگ کو مجھ پر گلزار کردیا''

حضرت داؤد علیہ السلام نے حمد وثنا کے بعد فرمایا:

''پاک ہے وہ ذات جس نے مجھے زبور سکھلائی، لوہے کو میرے لئے نرم کیا، پہاڑوں اور پرندوں کو میرے لئے مسخر کیا اور مجھے عمدہ لحن عطا فرمایا''

حضرت سلیمان علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کی بزرگی بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"بلند و بالا ہے وہ ذات اقدس جس نے جنات کو میرے تابع کیا، چرند، پرند کو میرا غلام بنایا، مجھے سلطنت عطا فرمائی اور تخت سلیمانی سے نوازا۔"

حضرت یونس ؑ نے خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

"قادر مطلق ہے وہ ذات جس نے مچھلی کے پیٹ میں مجھے زندہ رکھا، مجھے عظمت و شوکت عطا فرمائی"

حضرت موسیٰ ؑ نے خدا کی بزرگی بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"حمد ہے اس ذات کی جس نے مجھ سے بلاواسطہ کلام فرمایا، فرعون کو تباہ و برباد کیا، بنی اسرائیل کی رستگاری میرے ذریعہ سے ہوئی اور میری امت میں ایسی قوم بنائی کہ جو حق کی تلقین اور انصاف کرتی ہے۔

حضرت عیسیٰ نے بھی دیگر انبیاء کی طرح خدا تعالیٰ کی عظمت شان بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"حمد ہے اس ذات کی جس نے حضرت آدم کی طرح مجھے بھی بغیر باپ کے پیدا فرمایا مجھے بیشمار معجزات سے نوازا، بالخصوص کوڑھیوں کو اچھا کرنے، مردوں کو زندہ کرنے، مادر زاد اندھوں کو بینا کرنے کے معجزات عطا فرمائے، مجھے توریت و انجیل کا علم دیا اور مجھے آسمانوں پر اٹھالیا"

انبیاء علیہم السلام کے بیانات کے بعد مہمان خصوصی اور صدر جلسہ نبی آخر الزماں ﷺ نے خدا تعالیٰ کی عظمت و کبریائی بیان کرنے کے بعد فرمایا:

"اس نے مجھے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا،
تمام عالموں کے لئے بشیر و نذیر بنایا،
مجھ پر قرآن مجید جیسی عظیم الشان کتاب نازل فرمائی،
میرا سینہ کھولا،
میرا ذکر بلند کیا،
میری امت کو بہترین امت بنایا اس کو اولین اور آخرین بنایا،

مجھے فاتح اور خاتم بنایا''

جب نبی کریم ﷺ خطبہ تحمید سے فارغ ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام انبیاء سے مخاطب ہو کر نبی کریم ﷺ کی عظمت و رفعت، مقام و مرتبہ اور شان و شوکت بیان فرمائی اور فرمایا کہ آپ ﷺ انہیں اوصاف و کمالات کی بناء پر تمام انبیاء سے بڑھ گئے ہیں۔

جب آپ نماز سے فارغ ہونے کے بعد مسجد سے باہر تشریف لائے تو آپ کے سامنے دو پیالے پیش کئے گئے، ایک پیالہ دودھ کا تھا دوسرا شراب کا، نبی کریم ﷺ نے دودھ کا پیالہ منتخب فرمایا جس پر جبرئیل امین نے کہا کہ آپ نے دین فطرت کو اختیار کیا ہے اگر آپ دوسرا پیالہ اختیار فرماتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ کو تین پیالے پیش کئے گئے تھے، دودھ شراب اور پانی کے، دوسری روایت میں ہے کہ چار پیالے پیش کئے گئے دودھ پانی شراب اور شہد کے، ان میں سے آپ نے دودھ والا پیالہ اختیار فرمایا۔

بیت المقدس لے جانے کی حکمت

نبی کریم ﷺ کو معراج کے لئے بیت المقدس کیوں لایا گیا یہ معراج براہ راست مکہ سے بھی شروع ہو سکتی تھی آخر اس میں کیا حکمت تھی؟ علماء نے اس موقع پر کئی اہم نکتے بیان فرمائے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی معراج ایک عظیم معجزہ تھا، سفر معراج جہاں خدا تعالیٰ کی دانائی اور کبریائی کا مظہر ہے، وہاں عظمت رسول کا شاہکار بھی ہے، اس لئے اس سفر کے حق تعالیٰ نے دو حصے بنائے جس مقام سے قدرت کے ایوانوں کی طرف سفر کا آغاز ہونا تھا، خدا تعالیٰ نے فرمایا: بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ کہ مسجد اقصیٰ کے اردگرد چاروں طرف اور ہر سمت ہم نے رحمت و برکت پھیلا رکھی ہے، گویا یہ ایسی روحانی و نورانی جگہ ہے جہاں ہر وقت خدا ذوالجلال کی رحمت و برکت کی بارش برستی ہے، نیز بیت المقدس تمام انبیاء کا قبلہ اور مسلمانوں کا قبلہ اول تھا، خدا تعالیٰ نے آپ کو کعبہ کی امامت اور بیت المقدس

کی امامت کا اعزاز بخش کر امام الانبیاء بنایا۔

آسمانی سفر کا آغاز

مسجد اقصیٰ کے پروگرام کے اختتام پر نبی کریم ﷺ اسی براق پر سوار ہو کر آسمانوں کی طرف تشریف لے گئے جس پر مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک تشریف لائے تھے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ سرور کائنات ﷺ کے لئے ایک بہشتی سیڑھی کا اہتمام کیا گیا تھا جس کے ذریعہ آپ آسمانوں پر چڑھے گویا خدائی لفٹ یا خودکار زینہ تھا جس کے ذریعہ آپ آسمانوں پر چڑھے۔

شان رسالت

نبی کریم ﷺ جب آسمانوں پر پہنچے تو:

پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

ساتویں آسمان کے بعد نبی کریم ﷺ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے جہاں جبرئیل امین بھی ساتھ چھوڑ گئے، نبی کریم ﷺ تنہا ایوان قدرت میں داخل ہوئے۔

اس عظیم الشان ملاقات میں خالق کائنات اور محبوب کائنات کے درمیان کوئی پردہ حائل نہ تھا، دونوں ایک دوسرے کے سامنے تھے قرآن مجید گواہی دیتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے اتنے قریب آگئے جتنے دو کمانوں کے سرے ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں۔

ثم دنیٰ فتدلّٰی فکان قاب قوسین اوْ ادنیٰ

"پھر وہ فرشتہ نزدیک ہوا اور اتر آیا یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا"

تبادلہ تحائف

انسانی سماج کے اندر بھی جب کوئی شخص کہیں مہمان بن کر جاتا ہے تو وہ اپنے میزبان کے لئے تحفے لیکر جاتا ہے مہمان اپنے معیار اور حیثیت کے مطابق تحفوں کا انتخاب کرتا ہے نبی کریم ﷺ جب حق تعالی کے عرش پر مہمان ہوئے تو تین تحفے لیکر حاضر ہوئے۔

التحیات للہ (قولی عبادتیں)

والصلوۃ (بدنی عبادتیں)

والطیبات (مالی عبادتیں)

فرمایا میرے رب کریم تو قادر مطلق ہے تو بے نیاز ہے تیرا کوئی ثانی نہیں تیری کبریائی تیری بزرگی اور تیری حکمت کا جواب نہیں تو ہی خالق کائنات ہے تو ہی مالک کائنات ہے تیرے ہی اشارہ پر کارخانہ قدرت چل رہا ہے، میری اور میری امت کی قولی جسمانی عبادتیں تیرے لئے ہیں، سرور کائنات ﷺ کے پیارے پیارے لبوں سے خدائے بزرگ و برتر کے حضور محبت و عجز و انکساری کے تین بول اتنے پسند ہوئے کہ جواباً پروردگار عالم نے فرمایا:

السلام علیک ایھا النبی (اے نبی آپ پر بھی سلامتی ہو)

ورحمۃ اللہ (آپ پر رحمت ہو)

وبرکاتہٗ (آپ پر برکت ہو)

امت کا دھیان

سرور کائنات ﷺ نے جب اللہ کی رحمت کو اس قدر پرجوش اور وسیع پایا تو

آپ کو امت کی یاد آئی کہ اے کاش اس تو قع پر میری امت کو بھی رحمت و برکت کا ایک حصہ مل جائے، ادھر آپ ؐ کے دل میں خیال آیا ادھر اللہ نے فرمایا:

السلام علینا و علیٰ عباد اللہِ الصالحین

''ہم پر سلامتی ہو اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی''

ایک عظیم خدائی تحفہ

جب نبی کریم ﷺ ایوان قدرت سے رخصت ہوئے تو آپ کی امت کے لئے حق تعالیٰ نے ایک عظیم تحفہ ''نماز'' کی صورت میں عنایت فرمایا، ایک روایت ہے کہ آپ جب پچاس نمازیں اور چھ ماہ کے روزے لیکر روانہ ہوئے تو چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، آپ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا:

''اللہ تعالیٰ کے ہاں سے آپ کو تحفہ کیا ملا؟''

فرمایا:

''پچاس نمازیں اور چھ ماہ کے روزے''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''مجھے اپنی امت کا تلخ تجربہ ہے آپ کی امت اتنی عبادت کی متحمل نہیں ہو سکے گی، لہٰذا آپ دوبارہ دربار خداوندی میں جائیں نمازوں اور روزوں میں کچھ کمی کے خواستگار ہوں''

روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کہنے پر بار بار دربار خداوندی میں حاضر ہوئے اور رعایت کی درخواست کرتے رہے یہاں تک کہ دن میں پانچ نمازیں اور سال میں ایک ماہ کے روزے باقی رہ گئے، موسیٰ علیہ السلام نے سرکار دو عالم ﷺ سے پھر اصرار کیا کہ ایک مرتبہ پھر جائیں تا کہ کچھ اور رعایت ہو سکے لیکن آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے میرے ساتھ ایسے رحم کا معاملہ فرمایا ہے کہ اب مجھے اپنے خدا کے پاس جاتے ہوئے شرم آتی ہے۔

ایک نکتہ

فخرِ دو عالم سرکارِ دو جہاں ﷺ تو اپنے مرتبہ و مقام اور محاسن و کمالات اور خصوصیات کی بناء پر تمام انبیاء پر فائق اور سب سے افضل ہیں، اس موقع پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کے ذہن مبارک میں یہ بات کیوں نہیں آئی کہ آپ کی امت اتنی عبادات کی متحمل نہیں ہو سکے گی، موسیٰ علیہ السلام کو یاد دلانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟۔

علماء نے لکھا ہے کہ در اصل اس واقعہ سے یہ بتلانا مقصود تھا کہ اے موسیٰ ؑ تو میری تجلی کی ایک معمولی سی جھلک دیکھ کر بے ہوش ہو گیا تھا لیکن میرا محبوب بار بار تیرے جلووں کا اور میری تجلی کا نظارہ کر رہا ہے۔

نہ تیری آنکھ دیکھے نہ چشم انبیاء دیکھے
مجھے دیکھے تو اے موسیٰ نگاہ مصطفیٰ دیکھے

گویا کہ حق تعالیٰ کے دربار میں بار بار حاضری اور حق تعالیٰ کی تجلیات اور جلووں کے نظارہ سے آپ کی تمام انبیاء پر فضیلت ثابت کرنا مقصود تھا:

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

نماز تحفہ معراج

پروردگارِ عالم نے شب معراج میں اپنے پیارے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ کو ایک خوبصورت تحفہ سے نوازا، یہ تحفہ "نماز" کی صورت میں تھا، خالق کائنات نے سرور کائنات کی امت کو بہترین امت قرار دیا اس لئے شب معراج میں آپ کی امت کو بھی بہترین تحفہ "نماز" کی صورت میں عطا فرمایا، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الصلوٰۃ معراج المؤمنین (نماز مومن کے لئے معراج ہے)

معراج رحمت دو عالم ﷺ کی نبوت اور رسالت کا عظیم معجزہ ہے، جس کے اعجاز سے امت محمدیہ قیامت تک فیض حاصل کرتی رہے گی، ارشاد نبوی کے مطابق جو اتنی

دن میں پانچ وقت نماز ادا کرے گا گویا کہ وہ پانچ مرتبہ معراج کی برکت وسعادت حاصل کرے گا۔

نماز کی اہمیت

نماز کی اہمیت کا اندازہ آپ اس سے لگا یئے کہ پوری شریعت اور اس کے احکامات مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں نازل ہوئے، دین کے تمام احکامات وہدایات کشف والہام اور وحی کے ذریعہ دیے گئے، ان احکامات کو حضرت جبرئیل کے ذریعہ آپ تک پہنچایا گیا لیکن نماز کا تحفہ عرش پر بلا کر عنایت فرمایا:

حضرات! نماز بندے اور مالک کے درمیان رابطہ کا کام کرتی ہے جب بندے اور مالک کے درمیان تعلق قائم ہو جائے تو پھر سارے رابطے کٹ جاتے ہیں، حدیث میں نماز کی کیفیت کو اس طرح بیان کیا گیا:

ان تعبد اللہ کانک تراہ

''تو خدا کی عبادت اس طرح کر گویا کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے''

نماز ادا کرتے وقت ایک بندے کا تصور یہی ہونا چاہئے اگر یہ تصور قائم ہو جائے تو نماز میں لذت اور سرور محسوس ہوتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا واقعہ مشہور ہے کہ ایک جنگ میں آپ کی پنڈلی میں تیر کا ایک ٹکڑا رہ گیا، جس سے آپ کو بڑی تکلیف ہوئی تھی ایک دن جراح کو بلایا گیا تا کہ نشتر لگا کر نکال دے، لیکن نشتر لگاتے ہی حضرت علیؓ نے درد کی بناء پر روک دیا، ابھی جراح موجود ہی تھا کہ نماز کا وقت آ گیا، حضرت علیؓ ابھی نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور نہایت انہماک کے ساتھ نماز میں مشغول ہو گئے صحابہ نے موقع غنیمت جانا اور جراح کو حکم دیا کہ اب نشتر لگا کر پنڈلی سے تیر نکال دیا جائے، چنانچہ جراح نے نشتر لگایا اور تیر پنڈلی سے باہر نکال لیا، اور آپ کی پنڈلی پر پٹی باندھ دی، حضرت علیؓ نماز سے فارغ ہوئے تو صف کو خون آلود پایا، پوچھا تو صحابہ نے کہا کہ:

"آپ کی پنڈلی سے تیر نکال لیا گیا ہے"

حضرت علی نے فرمایا:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مجھے نشتر لگانے کی ذرا بھی خبر نہیں ہوئی"

حضرات! یہ تھی صحابہ کی نماز، جب بندے اور مالک کا تعلق اس درجہ کا ہو جائے تو پھر اسے دنیا و مافیہا کی خبر نہیں رہتی آج ہمیں نمازوں میں لطف اس لئے محسوس نہیں ہوتا کہ ہمارا اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح معنوں میں تعلق قائم نہیں ہو پاتا۔

نماز کی اہمیت کا اندازہ آپ اس سے بھی لگا سکتے ہیں کہ اس فریضہ کا قرآن کریم میں سات بار ذکر آیا ہے اور تقریباً ایک سو مرتبہ اس کے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

رب العزت امام الانبیاء کی امت پر کس قدر مہربان ہیں اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت آدم کو سجدہ کرنے کا حکم اللہ نے فرشتوں کو صرف ایک مرتبہ دیا تھا شیطان نے اپنی منطق لڑانی شروع کر دی، خدا تعالیٰ نے اسے سجدہ نہ کرنے پر راندۂ درگاہ کر دیا حالانکہ وہ عبادت و ریاضت میں دن رات لگا رہتا تھا، مالک الملک اتنے رحیم و کریم ہیں کہ امت محمدیہ کو بار بار نماز کی تلقین کرتے ہیں اس کے باوجود ہم نماز میں کوتاہی کرتے ہیں، پھر وہ رحیم و کریم ہمیں راندۂ درگاہ نہیں کرتا بلکہ اپنی کوتاہی کے احساس ہو جانے پر دوبارہ تلافی کر لینے پر ہمیں معاف بھی کر دیتا ہے۔

حضرات! نماز دین کا ستون ہے ارشاد نبوی ہے الصلوٰۃ عماد الدین نماز کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔

روز محشر کہ جاں گداز بود　　　اولیں پرسش نماز بود

یہی وجہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے نماز کے بارے میں سخت تاکید فرمائی ہے فرمایا کہ اپنے بچوں کو نماز کی عادت ڈالو جب وہ دس برس کے ہو جائیں اور نماز میں کوتاہی کریں تو انہیں مار کر نماز پڑھاؤ، نماز کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے کہ نماز کی پابندی بے حیائی اور بے ہودہ باتوں سے روکتی ہے، نماز کسی حالت میں معاف

نہیں اگر کوئی شخص کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر نماز پڑھ لے، بیٹھ کر پڑھنے کی بھی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر پڑھے لیٹ کر پڑھنے کی بھی ہمت نہ تو اشارہ سے پڑھے اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے کس قدر آسانیاں پیدا کر دی ہیں، وہ چاہتا ہے کہ مومن ہر حال میں روحانی معراج سے لطف اندوز ہوتے رہیں، خدا تعالیٰ ہمیں نماز کی پابندی کی توفیق نصیب فرمائے۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

شعبان

لیلۃ البرأت

الحمدللہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ الطیبین الطاہرین الیٰ یوم الدین

امابعد!

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ، بسم اللہ الرحمن الرحیم
اِنَّا اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنۡذِرِیۡنَ فِیۡهَا یُفۡرَقُ كُلُّ اَمۡرٍ حَكِیۡمٍ

حضرات! اسلامی مہینوں کے اعتبار سے یہ مہینہ شعبان المعظم کہلاتا ہے، یہ عبادت اور مغفرت کا مہینہ ہے، اس ماہ مبارک کی عظمتیں اور برکتیں احصاء وشمار سے باہر ہیں، یہی وہ بابرکت مہینہ ہے جس کی خیر وبرکت سے گنہگار بندے اپنے دامن عمل کو سعادت ومغفرت اور رحمت خداوندی کے لعل وجواہر سے بھر سکتے ہیں۔

ارشاد نبویؐ ہے:

الرَّجَبُ شَهرِیْ وَالشَّعْبَانُ شَهْرُ اللّٰهِ وَالرَّمَضَانُ شَهْرُ اُمَّتِیْ

''رجب میرا مہینہ ہے، شعبان اللہ کا مہینہ ہے اور رمضان میری امت کا مہینہ ہے''

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''شعبان کی فضیلت تمام مہینوں پر ایسی ہے جیسے تمام انبیاء کرام پر میری فضیلت اور دوسرے مہینوں پر رمضان کی فضیلت ایسی ہے جیسے تمام کائنات پر اللہ تعالیٰ کی فضیلت''۔

ایک روایت ہے:

''رجب اور رمضان کے درمیان ایک ایسا مہینہ ہے، جس کے فضائل کا
لوگوں کو علم نہیں''۔
آپ نے فرمایا:
''اس مہینہ میں بندوں کے اعمال اللہ تعالیٰ تک پہنچائے جاتے ہیں''۔
اس سے معلوم ہوا کہ شعبان اور رمضان میں گہرا ربط ہے، حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب رجب کا چاند دیکھ لیتے تو قرآن مجید کی تلاوت میں منہمک ہو جاتے، مسلمان اپنے مال سے زکوٰۃ نکالتے صدقہ و خیرات کا اہتمام کیا جاتا حکام قیدیوں کو طلب کرتے جس پر حد واجب ہوتی، اس کی سزا کا اعلان کیا جاتا، بے گناہوں کو معاف کر کے باعزت بری کیا جاتا، بیوپاری اپنا قرض ادا کرتے، دوسروں سے اپنا حق وصول کرتے تاکہ معاملات صاف ہو جائیں۔

شعبان کے روزے

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ماہ شعبان میں نبی کریم ﷺ بکثرت روزے رکھتے، دیگر اصحاب رسول سے بھی مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ پورے سال میں ان دو مہینوں یعنی شعبان اور رمضان میں نہایت اہتمام کے ساتھ روزے رکھتے تھے۔
حضرت اسامہؓ بن زید سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ آپ شعبان میں کثرت سے روزے کیوں رکھتے ہیں؟ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:
''اسامہ! یہ بہت مبارک مہینہ ہے رجب المرجب اور رمضان کے درمیان واقع ہے، جس سے لوگ غافل ہیں اس مہینہ میں انسانوں کے اعمال کو رب جلیل کے حضور پیش کیا جاتا ہے، لہٰذا میں نے اس ماہ کو زیادہ محبوب رکھا ہے میرے اعمال بھی میرے پروردگار کے سامنے پیش ہوں تو اس حال میں مجھے روزہ دار ہونا چاہئے''۔
ام المومنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں:
''میں نے رسول اللہ ﷺ کو دو مہینے متواتر روزے رکھتے نہیں دیکھا مگر

شعبان اور رمضان میں"۔

نبی کریم ﷺ کا یہ عمل بتاتا ہے کہ شعبان کے روزے دراصل رمضان المبارک کے استقبال اور رمضان کے روزوں کی تیاری کے لئے تھے یہ نبی کریم ﷺ کا معمول تھا لیکن اپنی امت کے لئے یہ ارشاد فرمایا:

"جب شعبان کا آدھا مہینہ گزر جائے تو روزے نہ رکھو"۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے بعض طرق سے یہ روایت بھی ہے:

"سرکار دو عالم ﷺ اپنی امت کے سچے خیر خواہ اور ہمدرد تھے، اس لئے شعبان کے مکمل روزے رکھنے سے منع فرمایا"۔

شعبان کے معنی

اہل لغت نے لکھا ہے کہ شعبان "تشعب" سے ماخوذ ہے جس کے معنی "شاخ در شاخ" ہونے کے آتے ہیں، اس معنی کی تائید حضرت انسؓ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے فرمایا:

"اس ماہ کا نام شعبان اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس میں روزہ رکھنے والے کو شاخ در شاخ بڑھنے والی خیر و برکت میسر ہوتی ہے، یہاں تک کہ وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے"۔

علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں:

"شعبان، شعب" سے مشتق ہے، جو اجتماع کے معنی دیتا ہے، اس ماہ میں خیر و برکت کا اجتماع ہوتا ہے اس لئے اس کو "شعبان" کہا جاتا ہے"

عمدۃ القاری میں ہے کہ:

"لوگ چونکہ ادھر ادھر متفرق ہونے کے بعد اس مہینہ میں جمع ہوتے ہیں اس بناء پر اس کو "شعبان" کہتے ہیں"۔

بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ "شعبان" شعب سے ماخوذ ہے شعب "

۔۔۔ کہلاتا ہے جو پہاڑ کی طرف جاتا ہو، چونکہ شعبان کا مہینہ انسان کو روحانیت کی بلندیوں تک پہنچاتا ہے، اس لئے اس کو شعبان کہتے ہیں۔

ماہِ شعبان کے اہم واقعات

(۱) اس ماہ کی ۵ تاریخ کو نواسۂ رسول سیدنا حضرت حسینؓ کی ولادت ہوئی۔

(۲) اس مبارک ماہ کی ۱۵/۱۴ کی درمیانی شب شبِ برأت کہلاتی ہے، جس میں حق تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں۔

(۳) شعبان میں تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہوا۔

(۴) جھوٹا مدعیٔ نبوت مسیلمہ کذاب بھی شعبان ہی میں جہنم واصل ہوا۔

(۵) سرکارِ دو عالم ﷺ نے ام المومنین حضرت صفیہ کے ساتھ نکاح اسی مہینہ میں فرمایا۔

(۶) مسجدِ ضرار جو کفار نے اہلِ اسلام کے خلاف سازشیں کرنے کے لئے بنائی تھی، اس کو بھی اسی ماہ میں نذرِ آتش کیا گیا۔

(۷) قرآن مجید کے نزول کا فیصلہ بھی اسی ماہ میں ہوا۔

شبِ برأت کی فضیلت

پروردگارِ عالم نے امتِ محمدیہ پر بے شمار احسانات اور انعامات کی بارش کی ہے، اس نے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ ثواب دینے کے لئے بعض نادر مواقع، مناسب اوقات اور پسندیدہ شب و روز عطا کئے شبِ برأت بھی انہیں نادر مواقع میں سے ایک موقع ہے، جس میں عبادت کے ذریعہ امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام خدا کی بے پایاں رحمتوں، برکتوں اور نوازشوں سے اپنا دامنِ مراد بھر سکتی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:

"ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ میرے حجرے میں آرام فرما رہے تھے، رات کے

کسی حصہ میں میری آنکھ کھلی تو میں نے سرکار دو جہاں کو اپنے حجرے سے غائب پایا
میں آپ کی تلاش میں نکلی، تمام ازواج مطہرات کے حجروں میں تلاش کیا یہاں تک کہ
میں آپ کی تلاش میں جنت البقیع میں پہنچ گئی میں نے دیکھا سرکار دو عالم ﷺ اپنی امت
کی بخشش کی دعا مانگ رہے ہیں"۔

آپ نے پوچھا:

"عائشہؓ تمہیں معلوم ہے آج کونسی رات ہے؟"

عرض کیا:

"اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں"۔

سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

"آج شب برأت ہے یہ اتنی رحمتوں اور برکتوں والی رات ہے جس میں مولائے کریم اپنی شان کریمی کے صدقے بنو کلب قبیلہ کی بھیڑوں اور بکریوں کے برابر گنہگاروں کو بخش دیتے ہیں"

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جب شعبان کی پندرھویں رات ہو تو اس رات میں قیام کرو اور دن کو روزہ رکھو کیوں کہ اس رات اللہ تعالیٰ کی رحمت سورج غروب ہوتے ہی آسمان دنیا پر ظاہر ہوتی ہے اور اس کی بے پایاں رحمت کل عالم پر چھا جاتی ہے"۔

پورے سال بندہ خدا کی رحمت کو تلاش کرتا رہتا ہے، یہ ایسی منفرد رات ہے جس میں خدا کی رحمت بندوں کو تلاش کرتی ہے حق تعالیٰ شانہ اس رات اپنے بندوں کو پکارتے ہیں۔

- ہے کوئی مغفرت طلب کرنے والا کہ میں اس کو بخش دوں۔
- ہے کوئی رزق میں فراخی طلب کرنیوالا کہ میں اسکو رزق وافر عطا کر دوں۔
- ہے کوئی مصیبت زدہ کہ میں اسے مصیبت سے نجات دوں۔
- ہے کوئی ضرورت مند کہ میں اس کی ضرورت پوری کر دوں۔

بدقسمت انسان کون ہے؟

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ شعبان کی پندرہویں شب کو حق تعالیٰ اپنی رحمت کے طفیل سوائے شرک اور کینہ پرور کے تمام گنہگاروں کو معاف فرما دیتے ہیں۔ایک روایت میں ہے کہ اس مبارک رات میں دس قسم کے بدنصیب انسانوں کی بخشش نہیں ہوتی۔

- مشرک
- کینہ پرور
- والدین کا نافرمان
- جادوگر
- ذخیرہ اندوز (ضرورت سے زائد اشیاء کا اسٹاک کرنے والا)
- سود کھانے والا
- شرابی
- چغل خور
- زانی
- گستاخ رسول

حضرت غوث الاعظمؒ فرماتے ہیں کہ اس رات کو شب برأت اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں دو بیزاریاں ہیں۔

(۱) بدبخت لوگ اللہ سے بیزار ہوتے ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے دوست گمراہی سے بیزار ہوتے ہیں۔

حدیث میں وارد ہے کہ:

"ماہ شعبان کی درمیانی رات آنے پر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حالات پر نظر ڈالتا ہے اہل ایمان کو اپنے فضل وکرم سے بخش دیتا ہے اور منکرین حق کو ان کی

حالت پر چھوڑ دیتا ہے"

بندوں کے اعمال کے بجٹ کی رات

اس رات میں بندوں کی قسمت کے فیصلے بھی کئے جاتے ہیں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"شب برأت میں آئندہ سال کی پیدائش اور اموات لکھی جاتی ہیں، اسی سال کا رزق تقسیم کیا جاتا ہے"

حضرت عکرمہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"شعبان کی پندرھویں شب میں سال بھر کے امور کا فیصلہ کیا جاتا ہے"

موت وحیات طلاق ونکاح، خوشی وغمی، امارت وغربت، عزت وذلت عروج وزوال غرضیکہ بندوں کی قسمت سے متعلق تمام امور طے کئے جاتے ہیں حکومتیں جماعتیں اور تجارتی ادارے ہر سال آمد وخرچ کا حساب کر کے نفع ونقصان کا اوسط نکالتے ہیں سابقہ کارکردگی کا جائزہ لیتے ہیں اور آئندہ سال کا لائحہ عمل مرتب کرتے ہیں، مولائے کریم بھی ہر سال شب برأت کو اپنے بندوں کا بجٹ بناتے ہیں شب برأت گویا خدائی بجٹ کی رات ہے۔

یاد رکھئے

شب برأت، قضا وقدر، قہر وغضب، سعادت وشقاوت، مغفرت وبخشش کی رات ہے، ہمیں چاہئے کہ شب برأت کے موقع پر امت مسلمہ کو خرافات اور غلط رسوں سے روکیں، مسلمانوں کو بتائیں کہ شب برأت دیوالی نہیں ہے کہ لاکھوں روپے آتشبازی، پٹاخوں اور پھلجڑیوں کی نذر کردیں، اس میں اسراف اور فضول خرچی کا گناہ بھی ہے اور غیر مسلم قوم کی مشابہت اختیار کرنے کا عذاب بھی یہی کثیر رقم اگر غریبوں، مسکینوں، یتیموں، ناداروں، بے کسوں، بیواؤں، معذوروں اور مسلم سماج

کے کمزوروں پر خرچ کی جائے تو ثواب دارین بھی حاصل ہوگا اور انسانی ہمدردی کا اجر بھی ملے گا۔

آج ہم طرح طرح کی خرافات، بدعات اور رسوم ورواج میں الجھ کر رہ گئے ہیں، شریعت کو ہم نے بالائے طاق رکھ دیا ہے، فرمان رسول کو ہم نے پس پشت ڈال دیا ہے، ذکر وتلاوت سے دور بھاگتے ہیں، اس مبارک رات میں ہمیں خوب عبادت اور ذکر وتلاوت کے ذریعہ اپنے اعمال کے رجسٹر میں کچھ نیکیوں کا اضافہ کرنا چاہئے، آخرت کی فکر اور خدا کی پکڑ کا ہر حال میں خیال رہنا چاہئے۔

شب برأت کے موقع پر ہمارے ملک میں دینی جلسوں کا ایک اچھا خاصا ماحول بنتا جارہا ہے، اگر ہم دین کی باتیں سننے سنانے میں ایمانی جذبہ وجوش کے ساتھ حصہ لینے لگیں تو یقین ہے کہ ان شاء اللہ رسوم ورواج اور بدعات وخرافات کے یہ بادل بھی بہت جلد چھٹ جائیں گے، خدا تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اس رات کی قدر کرنے اور اس میں ذکر وعبادت اور تلاوت کی توفیق نصیب فرمائے اور ہم سب کو اس مبارک رات کی برکتوں سے مالا مال فرمائے، اور اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

رمضان

روزہ

الحمدللہ ربّ العلمین والصلوٰۃ والسّلام علیٰ سید الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین

امابعد!

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ

''رمضان کا مہینہ وہ ہے کہ جس میں قرآن نازل کیا گیا جو کہ لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور (اس میں) ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں (اور جو حق و باطل کو) الگ الگ کرنے والا ہے''۔

حضرات! اسلامی مہینوں کے اعتبار سے یہ مہینہ رمضان المبارک کہلاتا ہے اس ماہ مبارک کے روزے اہل اسلام پر فرض کئے گئے، روایت ہے کہ:

- رمضان المبارک کی یکم تاریخ کو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں
- رمضان المبارک کی تین تاریخ کو حضرت ابراہیم پر صحائف نازل ہوئے۔
- رمضان المبارک کی چھ تاریخ کو موسیٰ پر توریت نازل ہوئی۔
- رمضان المبارک ہی میں حضرت داؤدؑ پر زبور نازل ہوئی۔
- رمضان المبارک ہی میں قرآن کریم نازل ہوا۔
- رمضان المبارک ہی میں جہاد فرض ہوا۔
- رمضان المبارک ہی میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کا انتقال ہوا۔
- رمضان المبارک ہی میں مکہ فتح ہوا جس کے نتیجہ میں عظمت اسلام کے پرچم لہرائے گئے۔

فضیلت رمضان

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''رمضان المبارک میں جنت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کردئے جاتے ہیں، شیطان کو بیڑیاں ڈال دی جاتی ہیں''۔

جنت کے دروازوں کا کھول دیا جانا اور شیطان کا قید کردیا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ رحمت خداوندی بندوں کے قریب کردی جاتی ہے، رمضان المبارک کی برکت سے بندوں سے زیادہ تر نیکی اور تقویٰ کا ظہور ہوتا ہے، دل خدا کی یاد اور ذکر وتلاوت سے معمور ہوجاتے ہیں۔

علماء نے لکھا کہ شیطان کو بیڑیاں ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کو روزہ کو بہکانے پھسلانے کے مواقع کم ملتے ہیں، روزہ دار وسوسوں کا شکار نہیں ہوتا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''رمضان المبارک میں ابن آدم کے ہر نیک عمل کو دس گنا سے سو گنا تک بڑھادیا جاتا ہے''

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

''رمضان المبارک ایسا رحمتوں اور برکتوں والا مہینہ ہے جس میں نفل عبادت کا ثواب فرض عبادتوں کے برابر کردیا جاتا ہے، اور فرض عبادت کا ثواب معمول کی ستر عبادتوں کے برابر کردیا جاتا ہے''

روزہ افضل عبادت ہے

محترم حضرات! تمام عبادات کا اپنے طور پر ایک بڑا مرتبہ اور مقام ہے نماز بڑی اہم عبادت ہے جس کو دین کا ستون قرار دیا گیا ہے، حج ایک ایسی عبادت ہے جس کے کرنے سے انسان کے گناہ دھل جاتے ہیں، زکوۃ مالی عبادت ہے اس کا اجر

وثواب بھی کسی عبادت سے کم نہیں، مگر ان تمام عبادات کا تعلق ظاہر سے ہے روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس کا تعلق باطن سے ہے یہ ایسی منفرد عبادت ہے کہ جس کا تعلق صرف مالک حقیقی اور بندے کے درمیان ہی ہوتا ہے روزہ جیسی اہم عبادت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ باقی تمام عبادات کا ثواب فرشتے لکھتے ہیں مگر روزہ کا اجر وثواب بذات خود حق تعالیٰ دیتے ہیں۔

حدیث قدسی ہے:

الصَّومُ لِی وَاَنَا اَجزِی بِهٖ

"روزہ میرے لئے ہے لہٰذا اس کا اجر وثواب بھی میں خود دوں گا"

ایک اور روایت میں اَنَا اُجزیٰ بِهٖ ہے یعنی روزہ کا بدلہ میں خود ہوں، جس نے روزہ میری رضا کے لئے رکھا میں خود اس کو بطور بدلہ حاصل ہو جاتا ہوں، یہ بہت بڑی بات ہے کہ بندہ کو خدا ہی مل جائے، اس روایت کے مطابق غور کیجئے کہ روزہ کتنی بڑی عبادت ہے کہ اس کو ادا کرنے والا اجر وثواب کے ساتھ ساتھ اجر وثواب دینے والے سے بھی ملاقات کرتا ہے، سبحان اللہ! حضرت ربیعہؓ نبی کریم ﷺ کے ایک جلیل القدر صحابی تھے ان کا واقعہ مشکوٰۃ شریف کی حدیث میں اس طرح بیان ہوا ہے کہ ایک روز انہوں نے سرکار دو جہاں ﷺ کو وضو کرایا، سرکار دو جہاں ﷺ نے خوش ہو کر فرمایا "سَلْ رَبِیعَة" "اے ربیعہ مانگو کیا مانگتے ہو، اصحاب رسول اور سرور کائنات کے مزاج شناس خادم بڑے ذہین واقع ہوتے تھے اگر ہم اس موقع پر ہوتے تو کوئی دنیاوی چیز مانگتے، مگر انہوں نے دیکھا کہ تاجدار نبوت کا دریائے رحمت وشفقت جوش میں ہے تو عرض کیا اَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِی الْجَنَّةِ کہ جنت میں آپ کی رفاقت کا خواہشگار ہوں۔

محمود غزنوی کا واقعہ مشہور ہے کہ ایک دفعہ محمود غزنوی نے خوش ہو کر اپنے جرنیلوں کے سامنے جواہرات اور موتی پھینک دیئے اور ان سے کہا کہ آپ ان کو چن لیں خود گھوڑے پر سوار ہو کر چل دیئے تھوڑی دور جا کر کیا دیکھتے ہیں کہ ان کے پیچھے ان

غلام ایاز بھی گھوڑے پر سوار ہو کر چلا آرہا ہے، پوچھا ایاز یہ کیا؟ کیا تجھے موتی اور جواہرات نہیں چاہئیں، ایاز نے جواب دیا:

"جو موتیوں کے طالب تھے موتی چن رہے ہیں مجھے موتی نہیں موتیوں والا چاہئے جب موتیوں والا مل جائے تو موتی خود بخود مل جاتے ہیں"

حضرات! جسے جنت اور اس کی نعمتیں دینے والا مل جائے اس کو دنیا اور آخرت کی ہر چیز مل جاتی ہے، روزہ دار کو منعم حقیقی جب مل گیا تو اسے اور کیا چاہئے؟

روزہ کے مقاصد

حضرات! یاد رکھئے کہ نبی کریم ﷺ کی کوئی تعلیم ربانی محض حکم کے طور پر نہیں ہے بلکہ وہ سرتاپا حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہے، اس کے فرائض کی عمارت روحانی اخلاقی، اجتماعی اور مادی فوائد اور شفقتوں کے چہارگانہ ستونوں پر قائم ہے اور ان مصلحتوں اور منفعتوں کے اصول اور جوہر کو محمد عربی ﷺ کے صحیفہ الہامی نے ظاہر کر دیا ہے، چنانچہ روزہ کے مقاصد اور اس کے اغراض بھی تین مختصر فقروں میں حق تعالیٰ نے بیان کر دیے ہیں۔

(۱) لِتُكَبِّرُوا اللهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ تاکہ خدا نے تم کو جو ہدایت دی ہے اس پر اس کی بڑائی اور عظمت ظاہر کرو۔

(۲) لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ تاکہ اس ہدایت کے ملنے پر تم خدا کا شکر ادا کرو۔

(۳) لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ تاکہ تم پرہیزگار ہو (یا تم میں تقویٰ پیدا ہو)

پیروی

حضرات! اصحاب شریعت پیغمبروں کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے شریعت کے اترنے سے پہلے ایک مدت معینہ تک ملکوتی زندگی بسر کی اور تا بہ امکان کھانے پینے کی انسانی ضرورتوں سے وہ پاک رہے، اور انہوں نے اس

طرح اپنی روح کو عالم بالا سے اتصال کے لائق بنایا یہاں تک کہ وہ مکالمہ الٰہی سے سرفراز ہوئے اور پیغام ربانی نے ان پر نزول کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چالیس دن اسی طرح بسر کئے، تب تورات کی تختیاں ان کے سپرد ہوئیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی چالیس روز اسی طرح گذارے تب حکمت کا سرچشمہ ان کی زبان اور سینہ سے ابلا نبی اکرم سردار دو جہاں ﷺ غار حراء میں ایک مہینہ مصروف عبادت رہے اس کے بعد فیضان الٰہی کا نور اس غار کے دہانے سے طلوع ہوا۔

اس سے معلوم ہوا کہ روزہ کی فرضیت سے سب سے پہلا مقصد انبیاء علیہم السلام کے ان متبرک اور مقدس ایام کی تقلید اور پیروی ہے یہودی بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تقلید اور پیروی میں یہی چاہتے تھے مگر انہوں نے اس کی پیروی نہیں کی، اسی طرح مسلمانوں کو بھی حکم ہوا کہ وہ اپنے نبی کی پیروی میں چند دن اسی طرح گذاریں، چنانچہ فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ

"اے مسلمانو! تم پر روزہ فرض کیا گیا جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا"

دین الٰہی کی تکمیل، نبوت کے اختتام اور تعلیم محمدیؐ کے کمال کی یہ بڑی دلیل ہے کہ گذشتہ امتوں نے اپنے اپنے پیغمبروں کی تقلید اور پیروی کے جس سبق کو چند ہی روز میں بھلا دیا، نبی اکرم ﷺ کی لاکھوں وکروڑوں امت اس کو اب تک یاد رکھے ہوئے ہے اور اپنے رسول کی پیروی میں وہ بھی ایک مہینہ تک اسی طرح دن کو کھانے پینے اور دوسری نفسانی خواہشوں سے خود کو پاک رکھتی ہے اور ملکوتی زندگی بسر کرتی ہے۔

شکر

روزہ انبیاء علیہم السلام کی صرف تقلید اور پیروی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے اس عظیم الشان احسان کا جو اس نے اپنے پیغمبر صادق کے ذریعہ انسانوں پر کیا شکریہ ہے

اور اس کی احسان شناسی کا احساس ہے وہ کتاب الٰہی، وہ تعلیم ربانی وہ ہدایات روحانی جو ان ایام میں انسانوں کو عنایت ہوئی جس نے ان کو شیطان سے فرشتہ اور ظلمانی سے نورانی بنایا، پستی و ذلت کے گہرے غار سے نکال کر ان کو اوج کمال تک پہنچایا، ان کی وحشیت کو تہذیب و اخلاق سے ان کی جہالت کو علم و معرفت سے ان کی نادانی کو حکمت سے اور ان کی تاریکی کو بصیرت اور روشنی سے بدل دیا جس نے ان کی قسمتوں کے پانسے پلٹ دیے اور فضل و دولت اور خیر و برکت کے خزانوں سے ان کے کاشانوں کو معمور کر دیا جس نے ذرہ کی مقدار کو آفتاب اور مشت خاک کو ہمدوش ثریا بنا دیا، قرآن کریم اپنے ان الفاظ میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے:

لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

''اور اس لئے تا کہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ تم کو اس نے ہدایت دی اور تا کہ تم اس کا شکریہ ادا کرو''

اس ہدایت ربانی اور کتاب الٰہی کے عطیہ پر شکر گزاری کا یہ رمز و اشارہ ہے کہ اس مہینہ کی راتوں میں مسلمان اس پوری کتاب کو نمازوں (تراویح) میں پڑھتے اور سنتے ہیں اور اس مہینہ کے خاتمہ پر اللہ اکبر اللہ اکبر کا ترانہ بلند کرتے ہوئے عیدگاہوں میں جاتے اور خوشی و مسرت کے ولولوں کے ساتھ عیدگاہ کا دوگانہ شکر ادا کرتے ہیں۔

تقویٰ

روزہ کا سب سے بڑا معنوی مقصد تقویٰ، دل کی پرہیزگاری اور صفائی باطن ہے ارشاد ربانی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ

''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ''

''تقویٰ'' دل کی اس کیفیت کا نام ہے، جس کے حاصل ہونے کے بعد دل کو گناہوں سے جھجک محسوس ہونے لگتی ہے اور نیکی کی طرف بے تابانہ تڑپ ہوتی ہے اور روزہ کا مقصود یہ ہے کہ انسان کے اندر یہی کیفیت پیدا ہو۔

بات یہ ہے کہ انسانوں کے دلوں میں گناہوں کے اکثر جذبات بہیمی قوت کی افراط سے پیدا ہوتے ہیں، روزہ انسان کے ان جذبات کی شدت کو کمزور کرتا ہے اسی لئے سرکار دو عالم ﷺ نے ان نوجوانوں کا علاج جو اپنی مالی مجبوریوں کے سبب نکاح کرنے کی قدرت نہیں رکھتے اور ساتھ ہی اپنے نفس پر بھی قابو نہیں رکھتے، روزہ بتایا ہے اور فرمایا ہے:

''روزہ شہوت کو توڑنے اور کم کرنے کے لئے بہترین چیز ہے''

حضرات! اسلام کے مختلف احکام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ''روزہ'' کی مشروعیت میں ایک خاص نکتہ یہ ہے کہ ۱۲ مہینوں میں ایک مہینہ ہر مسلمان کو اس طرح بسر کرنا چاہئے کہ دن رات میں ایک وقت کھانا کھائے اور ہو سکے تو ایک وقت کا کھانا پینا اپنے فاقہ زدہ، محتاج اور غریب بھائیوں کو کھلائے، ان تمام احکام پر نظر ڈالے جو فدیہ اور کفارہ سے متعلق ہیں، تو معلوم ہوگا کہ ان سب مواقع میں روزہ کا بدل غریبوں کو کھانا کھلانا قرار دیا گیا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ روزہ اور غریبوں کو کھانا کھلانا یہ دونوں باہم ایک دوسرے کے قائم مقام ہیں ایسے لوگ جو فطرتاً کمزور یا دائم المرض یا بہت بوڑھے ہیں جو بمشکل روزہ رکھ سکتے ہوں ان کو روزہ کے بجائے مسکینوں کو کھانا کھلانے کا حکم ہوتا ہے۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ

''اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں وہ ایک مسکین کا کھانا (ہر روز کے حساب سے) فدیہ دیں''

حج میں اگر کسی عذر یا بیماری کے سبب احرام سے پہلے سر منڈوا دے تو حکم ہے

فِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ

''تو روزہ یا خیرات یا قربانی فدیہ دے''

جو لوگ حج اور عمرہ ایک احرام میں ادا کریں جس کو تمتع کہتے ہیں ان پر قربانی واجب ہے جو غریبوں ہی میں تقسیم کی جاتی ہے، اگر یہ نہ ہو سکے تو حکم ہے:

فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ

''تو دس روزے رکھیں تین حج میں اور سات گھر آ کر''

حج میں جانور کا شکار منع ہے اگر کوئی جان بوجھ کر ایسا کرے تو اس پر اسی جانور کے مثل کی قربانی لازم آتی ہے جو مسکینوں میں کی جائے گی، اگر یہ نہ ہو سکے تو حکم ہے

اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا

''یا چند مسکینوں کا کھانا اسی کے برابر روزے''

اگر کوئی بالارادہ قسم کھا کر توڑے تو اس پر دس مسکینوں کا کھانا واجب ہے یا ایک غلام کو آزاد کرنا اگر یہ نہ ہو سکے تو حکم ہے:

فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ

''تو تین روزے رکھے''

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو محرمات سے تشبیہ دے کر اس کو اپنے اوپر حرام کر لے اور پھر اس کی طرف رغبت کرے تو اس پر ایک غلام کا آزاد کرنا لازم ہے، لیکن اگر یہ اس کی قدرت میں نہ ہو تو حکم ہے:

فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ

''تو دو مہینے متواتر روزے رکھے''

اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو پھر حکم ہے:

فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا

''تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا''

ان احکام سے بخوبی ظاہر ہے کہ روزہ درحقیقت صدقہ وخیرات، غریبوں کے کھلانے بلکہ غلاموں کو آزاد کرنے کے قائم مقام ہے۔

غریبوں کا خیال

محترم حضرات! روزہ ہی امیروں اور پیٹ بھروں کو بتاتا ہے کہ فاقہ میں کیسی اذیت اور بھوک و پیاس کی تکلیف ہوتی ہے اور اسی وقت اس کو اپنے غریب اور فاقہ سے نڈھال بھائیوں کی تکلیف کا احساس ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ چند لقموں سے ان کی تکلیف کو دور کرنا کتنا بڑا ثواب ہے، جو خود بھوکا نہ ہو اس کو بھوک کی اور جو خود پیاسا نہ ہو اس کو پیاس کی تکلیف کا احساس کیسے ہوگا، بقول حافظ ابن قیمؒ سوختہ جگر کو سمجھنے کے لئے پہلے سوختہ جگر ہونا ضروری ہے، روزہ اسی احساس کو زندہ اور ایثار، رحم اور ہمدردی کے جذبات کو بیدار کرتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا حال یہ تھا جیسا کہ بعض صحابہؓ کا بیان ہے ماہ رمضان میں آپ کی سخاوت بادرواں کی طرح ہوتی تھی اور اسی کا اثر ہے کہ آج تک مسلمانوں کے ہاں اس مہینہ میں غریبوں اور فقیروں کی امداد و اعانت اور ان کو شکم سیر کیا جاتا ہے۔

مشکلات کی عادت

بزرگو! انسان خواہ کتنا ہی ناز و نعمت میں پلا ہو اور مال و دولت سے مالا مال ہو تاہم زمانہ کا انقلاب اور زندگی کی کشمکش اس کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنے جسم کو مشکلات کا عادی اور سختیوں کا خوگر بنائے جہاد کے ہر متوقع میدان کے لئے بھوک اور پیاس کے تحمل اور صبر و ضبط سے اپنے آپ کو آشنار کھنے کی ضرورت ہے، یہی وجہ ہے کہ مسلمان مجاہد میدان جنگ میں بھوک اور پیاس کی تکلیف کو جس خندہ پیشانی اور ہنسی خوشی سے برداشت کر لیتا ہے کوئی دوسرا نہیں کرتا، گویا کہ یہ ایک قسم کی فوجی ورزش ہے جو سال میں ایک بار ہر مسلمان کو کرائی جاتی ہے تاکہ وہ ہر قسم کی جسمانی مشکلات کے تحمل کے لئے ہر وقت تیار اور آمادہ رہے اور دنیا کی کشمکش جد و جہد، سختی و محنت کا پوری طرح مقابلہ کر سکے اسی لئے روزہ کے مفہوم کو قرآن کریم نے صبر کے لفظ سے بھی ادا کیا تاکہ

اس سے روزہ کی یہ حقیقت بھی ظاہر ہو جائے۔

جسمانی تندرستی

جس طرح حد سے زیادہ فاقہ اور بھوک انسان کے جسم کو کمزور کر دیتی ہے اسی طرح بہت زیادہ بسیار خوری انسان کے جسم کو مختلف امراض سے دوچار کر دیتی ہے، طب کے تجربے اور مشاہدے ثابت کرتے ہیں کہ اکثر حالتوں میں انسان کا بھوکا رہنا اس کی صحت کے لئے ضروری ہے مختلف بیماریوں کا یہ قطعی علاج ہے، طبی ہدایات کے مطابق کم از کم ہفتہ میں ایک وقت کھانا ناغہ کیا جائے، اسلام میں ہفتہ وار مسنون و مستحب روزے بھی ہیں مگر اس کے ساتھ سال میں ایک دفعہ جسمانی فضلہ کی تخفیف کے لئے فرضاً روزہ رکھنا نہایت نفع بخش ہے، جو مسلمان رمضان کے روزے رکھتے ہیں ان کو ذاتی تجربہ ہوگا کہ ایک مہینہ کا روزہ کتنی بیماریوں کو دور کر دیتا ہے بشرطیکہ انہوں نے از خود سحر و افطار میں بے احتیاطی نہ کی ہو، اس لئے یہ ایک قسم کا سالانہ جسمانی علاج بھی ہے۔

وقت کی بچت

برادران اسلام! انسان اگر اپنے دن رات کے اشغال اور مصروفیتوں پر غور کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ اس کے وقت کا ایک اچھا خاصہ حصہ محض کھانے پینے اور اس کے اہتمام میں صرف ہو جاتا ہے اگر انسان ایک وقت کا کھانا پینا بند کر دے تو اس کے وقت کا بڑا حصہ بچ جائے، یہ وقت خدا کی عبادت اور مخلوق کی خدمت میں صرف کیا جا سکتا ہے، اگر ہمیشہ نہیں تو سال میں ایک مرتبہ تو اس غیر ضروری مصروفیت کو کم کر کے یہ سعادت حاصل کی جا سکتی ہے۔

دماغی و روحانی یکسوئی

انسان کی دماغی اور روحانی یکسوئی اور صفائی کے لئے مناسب فاقہ بہترین علاج ہے جب انسان کا معدہ ہضم اور فتور سے خالی اور دل و دماغ تبخیر معدہ کی

معصیت سے پاک ہو چنانچہ بڑے بڑے اکابر کا تجربہ اس حقیقت پر گواہ صادق ہے۔

گناہوں سے حفاظت

روزہ بہت سے گناہوں سے انسان کو محفوظ رکھتا ہے اس لئے یہ بہت سے گناہوں کا کفارہ بھی ہے، تورات میں خاص طور پر روزہ کو کفارہ ہی کہا گیا ہے اور اسلام میں بھی بہت سے موقعوں پر روزہ کو کفارہ بتایا گیا ہے چنانچہ اگر کوئی قسم کھا کر اس کو توڑنے کا گناہ کرے تو اس گناہ کی معافی کی یہ صورت ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَالِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ

''تو تین دنوں کے روزے یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب قسم کھا بیٹھو اور اپنی قسموں کا خیال رکھو''

اسی طرح حج کی حالت میں اگر شکار کرنے پر قربانی نہ ہو سکے اور چند مسکینوں کو کھانا نہ کھلایا جا سکے تو روزہ رکھنے کا حکم ہے۔

أَوْ عَدْلُ ذَالِكَ صِيَامًا لِيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ

''یا اس کے برابر روزہ (رکھے) تا کہ وہ اپنے گناہ کی سزا چکھے، اللہ نے معاف کیا جو ہو چکا''

اسی طرح اگر کوئی ذمی کسی مسلمان کے ہاتھ سے قتل ہو جائے تو اس مسلمان پر خون بہا یعنی ایک غلام کا آزاد کرنا لازم آتا ہے، اگر غلام آزاد کرنے کی صلاحیت نہ ہو تو روزہ رکھنے ہی کا حکم ہے:

فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِنَ اللّٰهِ

''تو اس گناہ کو اللہ سے بخشوانے کے لئے دو مہینے کے لگاتار روزے رکھے''

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ روزہ بہت سے گناہوں کا کفارہ بھی ہے۔

جمعیت خاطر اور جذبات کا سکون

اس حقیقت کو ایک اور روشنی میں دیکھئے تو روزہ کی یہ امتیازی خصوصیت نمایاں ہو جائے گی، روزہ کی بھوک اور فاقہ ہمارے گرم و مشتعل قویٰ کو تھوڑی دیر کے لئے سرد کر دیتا ہے، کھانے اور پینے کی مصروفیت سے ہم آزاد ہوتے ہیں، دوسرے سخت کاموں سے بھی ہم اس وقت پرہیز کرتے ہیں، دل و دماغ شکم سیر معدہ کے فاسد ابخارات کی پریشانی سے محفوظ ہوتے ہیں، ہمارے اندرونی جذبات میں ایک قسم کا سکون ہوتا ہے، یہ فرصیت کی گھڑیاں، یہ قویٰ کے اعتدال کی کیفیت یہ دل و دماغ کی جمعیت خاطر، یہ جذبات کا پرسکون ہونا، ہمارے غور و فکر، اعمال کے محاسبہ، کاموں کے انجام پر نظر، اپنے کئے پر ندامت اور پشیمانی اور خدا تعالیٰ کی باز پرس سے ڈر کے لئے بالکل موزوں ہے اور گناہوں سے توبہ اور ندامت کے احساس کے لئے یہ فطری اور طبعی ماحول پیدا کر دیتا ہے اور نیکی اور نیک کاموں کے لئے ہمارے وجدانی ذوق وشوق کو ابھارتا ہے یہی وجہ ہے کہ رمضان کا زمانہ تمام تر عبادتوں اور نیکیوں کے لئے مخصوص کیا گیا ہے اس میں تراویح ہے، اس میں زکوٰۃ نکالنا مستحب ہے، اس میں اعتکاف رکھا گیا ہے، اور خیرات کرنا سب سے بہتر ہے حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی فیاضی تو گو سدا بہار تھی لیکن رمضان کے موسم میں وہ تیز ہواؤں سے بھی زیادہ ہو جاتی تھی۔

دل اور روح کا روزہ

ان تمام باتوں کو سامنے رکھ کر بآسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ روزہ صرف ظاہری بھوک و پیاس کا نام نہیں ہے بلکہ درحقیقت روح اور دل کی بھوک اور پیاس کا نام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روزہ کی متوقع غرض وغایت تقویٰ قرار دی ہے، اگر روزہ سے یہ غرض وغایت حاصل نہ ہو تو یہ کہنا چاہئے کہ گویا روزہ ہی نہیں رکھا یا یوں کہنا چاہئے کہ جسم کا روزہ ہو گیا لیکن روح کا روزہ نہ ہوا اسی کی تشریح سرکار دو عالم ﷺ نے ان الفاظ سے

فرمائی ہے۔

"روزہ رکھ کر بھی جو شخص جھوٹ اور فریب کے کام کو نہ چھوڑے تو خدا کو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ انسان اپنا کھانا چھوڑ دے"

ایک حدیث میں ہے:

"روزہ برائیوں سے روکنے کی ڈھال ہے تو جو روزہ رکھے اس کو چاہئے کہ لغو اور فحش باتیں نہ بکے اور نہ جہالت (غصہ) کرے یہاں تک کہ اگر کوئی اس سے لڑنے مرنے پر آمادہ ہو اور گالی بھی دے تو یہی کہے کہ میں روزہ سے ہوں"

بعض حدیثوں میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

"روزہ اس وقت تک ڈھال ہے جب تک اس میں سوراخ نہ کر دو"

صحابہؓ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! اس میں سوراخ کس چیز سے ہو جاتا ہے؟"

فرمایا:

"جھوٹ اور غیبت سے"

بعض علماء کی رائے ہے کہ جس طرح کھانے اور پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اسی طرح گناہ سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

خاموش عبادت

تمام عبادات میں روزہ "تقویٰ" کی اصل اور بنیاد اس لئے بھی قرار دیا گیا ہے کہ یہ ایک مخفی اور خاموش عبادت ہے جو ریا اور نمائش سے بری ہے جب تک خود انسان اظہار نہ کردے، دوسرے پر اس کا راز افشاں نہیں ہوگا، اور یہی چیز تمام عبادات کی جڑ اور اخلاص کی بنیاد ہے۔

اخلاص اور بے ریائی

اسی اخلاص اور بے ریائی کا اثر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت فرمایا:

الصَّومُ لِی وَاَنَا اَجزِی بِہٖ

''روزہ میرے لئے ہے اور میں اس کی جزا دوں گا''

جزا تو ہر کام کی وہی دیتا ہے لیکن صرف اس کی عظمت اور بڑائی کو ظاہر کرنے کے لئے فرمایا، اس کی جزا میں خود دوں گا، بعض علماء کے نزدیک قرآن کریم کی اس آیت میں اسی کا اشارہ ہے۔

اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ

''صبر کرنے والوں کو مزدوری بے حساب پوری کی جائے گی''

اور اتنا ظاہر ہے کہ روزہ کی مشقت اٹھانا بھی صبر کی ایک قسم ہے اس لئے روزہ دار بھی "صابرین" کی جماعت میں داخل ہو کر اجر بے حساب کے مستحق ہوں گے۔

دعا اور صبر

روزہ بھی چونکہ صبر کی ایک قسم ہے بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ صبر و تحمل اور برداشت کی ورزش و مشق کی ایک بہترین اور آسان ترین صورت ہے اسی لئے مشکلات حل کرنے کے لئے دعا اور صبر کرنے کی خاص ہدایت ہوتی ہے:

وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ

''اور (مشکلات پر) صبر اور دعا کے ذریعہ مدد حاصل کرو''

دعا مانگنے کی ریاضت تو ہر وقت ممکن ہے کہ وہ انسان کی اختیاری چیز ہے لیکن صبر کرنے کی مشق کرنا اختیاری نہیں کیونکہ قدرتی مشکلات اور مسائل کا پیش آنا انسان کے اختیار میں نہیں اس لئے اس کی مہارت اور مشق کے لئے شریعت نے روزہ رکھا ہے، اسی لئے آیت بالا کی تفسیر میں "صبر" کے معنی روزہ کے بھی کئے گئے ہیں۔

خدا تعالیٰ ہم سب کو اپنے حبیب کے طفیل میں روزہ رکھنے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق بخشے۔

شوّال المکرّم

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امابعد!

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ نِسَآءِ العٰلَمِین (الآیۃ)

حضرات گرامی! موجودہ مہینہ عربی مہینوں میں ماہ شوال کہلاتا ہے، یہ نہایت مبارک اور محترم مہینہ ہے لغت میں ''شوال'' کے معنی بلند کرنے اور متفرق ہونے کے آتے ہیں۔

حدیث میں شوال کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے:

اِنَّمَا سُمِّیَ شَوَّالاً لِاَنَّ فِیْہِ شَالَتْ ذُنُوْبُ الْمُؤْمِنِیْنَ

''اس کا نام شوال اس لئے رکھا گیا کہ اس میں مومنوں کے گناہ معاف ہوتے ہیں''

یہ معنی رمضان المبارک کے روزوں، صدقۃ الفطر اور عیدالفطر کی نماز کی وجہ سے کئے گئے ہیں، حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ازدواجی زندگی کا آغاز اسی مبارک مہینہ سے ہوا، رخصتی بھی اسی ماہ میں ہوئی اور حضرت عائشہ صدیقہ اہم کاموں کا آغاز بھی اسی ماہ میں کیا کرتی تھیں اسی مناسبت سے آج کی تقریر کا عنوان ام المؤمنین حضرت عائشہ کا ذکر مبارک ہے۔

نام ونسب

عائشہ نام، صدیقہ اور حمراء لقب، ام عبداللہ کنیت، آپ حضرت ابوبکر صدیق

کی صاحبزادی ہیں، ماں کا نام زینب تھا، ام رومان کنیت تھی، اور قبیلہ غنم ابن مالک سے تھیں۔

حضرت عائشہ بعثت کے چار برس بعد شوال کے مہینہ میں پیدا ہوئیں، صدیق اکبرؓ کا کاشانہ وہ تھا، جہاں خورشید اسلام کی شعاعیں سب سے پہلے پرتو فگن ہوئیں اس بناء پر حضرت عائشہ اسلام کی ان برگزیدہ شخصیتوں میں شمار ہوتی ہیں جن کے کانوں نے کبھی کفر و شرک کی آواز نہیں سنی خود حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب سے میں نے اپنے والدین کو پہچانا ان کو مسلمان پایا۔

حضرت عائشہؓ کو وائل کی بیوی نے دودھ پلایا، وائل کے بھائی افلح حضرت عائشہؓ کے رضاعی چچا کبھی کبھی ان سے ملنے آیا کرتے تھے اور نبی کریم ﷺ کی اجازت سے وہ ان کے سامنے آیا کرتی تھیں، اور رضاعی بھائی بھی کبھی کبھی ملنے آیا کرتا تھا۔

نکاح

تمام ازواج مطہرات میں یہ شرف و فضیلت حضرت عائشہ ہی کو حاصل ہے وہ آنحضور ﷺ کی کنواری بیوی تھیں آپ سے پہلے وہ حضرت جبیر ابن مطعم کے صاحبزادے سے منسوب ہوئی تھیں لیکن جب حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد خولہ بنت حکیمؓ نے نبی ﷺ سے اجازت لیکر حضرت عائشہ کی والدہ ام رومانؓ سے کہا اور انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق سے ذکر کیا تو چونکہ یہ ایک قسم کی وعدہ خلافی تھی تو فرمایا کہ میں جبیر بن مطعم سے وعدہ کر چکا ہوں لیکن مطعم نے خود اس بناء پر انکار کر دیا کہ اگر عائشہ ان کے گھر میں آگئیں تو گھر میں اسلام کا قدم آجائے گا، حضرت ابوبکر صدیق نے خولہؓ کے ذریعہ نبی کریم ﷺ سے عقد کر دیا پانچ سو درہم مہر قرار پایا یہ ۱۰ نبوی کا واقعہ ہے اس وقت حضرت عائشہ چھ برس کی تھیں۔

حضرات! یہ نکاح اسلام کی سادگی کی حقیقی تصویر تھا، حضرت عطیہؓ اس کا واقعہ اس طرح بیان کرتی ہیں ''حضرت عائشہؓ لڑکیوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں ان کی انا آئی اور ان کو لے گئی، حضرت ابوبکرؓ نے آکر نکاح پڑھا دیا''

حضرت عائشہ خود فرماتی ہیں:

"جب میرا نکاح ہوا تو مجھ کو خبر تک نہ ہوئی جب میری والدہ نے باہر نکلنے پر روک ٹوک شروع کی تب میں سمجھی کہ میرا نکاح ہو گیا ہے اس کے بعد میری والدہ نے مجھے سمجھا بھی دیا"

نکاح کے بعد مکہ میں نبی کریم ﷺ کا قیام دس برس تک رہا، ۱۳ نبوی میں آپ نے ہجرت فرمائی حضرت ابو بکرؓ آپ کے ساتھ تھے۔

حضرت عائشہ کے نکاح سے عرب کے بعض بے ہودہ خیالات کی اصلاح ہوئی، اہل عرب منہ بولے بھائی کی لڑکی سے شادی نہیں کرتے تھے، اسی بناء پر جب خولہؓ نے حضرت ابو بکر صدیق سے نبی کریم ﷺ کے نکاح کا ارادہ ظاہر کیا تو حضرت ابو بکر صدیق سے حیرت سے کہا:

"کیا یہ جائز ہے عائشہ تو رسول اللہ ﷺ کی بھتیجی ہے"

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اَنْتَ اَخٌ فِی الاسْلَام

"تم تو صرف مذہبی بھائی ہو"

اسی طرح اہل عرب شوال کے مہینہ میں شادی نہیں کرتے تھے کیونکہ زمانہ قدیم میں اس مہینہ میں طاعون پھیلا تھا، حضرت عائشہ کی شادی اور رخصتی دونوں شوال میں ہوئیں، اس سے جاہلانہ عقائد کی اصلاح ہوئی۔

حالات زندگی

غزوات میں سے غزوہ احد میں حضرت عائشہؓ کا پتہ چلتا ہے صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ:

"میں نے عائشہ اور ام سلمہ کو دیکھا کہ مشک بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں"

غزوہ بنی مصطلق ۵ نبوی میں حضرت عائشہ نبی کریم کے ساتھ تھیں یعنی واپسی

میں ان کا ہار کہیں گر گیا، پورے قافلہ کو اترنا پڑا نماز کا وقت قریب آ گیا اور پانی کا نام نشان بھی نہیں تھا، تمام صحابہؓ پریشان تھے نبی کریم ﷺ کو خبر ہوئی تب تیمم کی آیت نازل ہوئی، اس اجازت سے تمام صحابہ خوش ہوئے، حضرت اسید بن حضیرؓ نے کہا:

''اے آل ابو بکرؓ تم لوگوں کے لئے سرمایہ برکت ہو''

اسی غزوہ میں واقعہ افک پیش آیا یعنی منافقین نے حضرت عائشہ پر تہمت لگائی قرآن کریم میں اس واقعہ کی نسبت صاف طور پر مذکور ہے کہ لوگوں نے سننے کے بعد یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ ''بالکل افتراء ہے''

۹ھ میں تحریم، ایلاء، اور تخییر کا واقعہ پیش آیا، نبی کریم ﷺ زاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے، دو دو مہینے چولہا نہیں جلتا تھا، آئے دن فاقے رہتے تھے، ازواج مطہرات اگرچہ شرف صحبت کی وجہ سے دیگر تمام عورتوں سے ممتاز ہو گئی تھیں تاہم بشریت بالکل معدوم نہیں ہو سکتی تھی، وہ دیکھتی تھیں کہ فتوحات اسلام کا دائرہ بڑھتا جا رہا ہے اور غنیمت کا سرمایہ اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ اس کا ادنیٰ حصہ بھی ان کی راحت اور آرام کے لئے کافی ہو سکتا ہے اس بناء پر ازواج مطہرات کے صبر و قناعت کا پیمانہ بھی بھی لبریز ہو جاتا تھا۔

ایک بار کا واقعہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے دیکھا کہ ازواج مطہرات آپ کے آس پاس بیٹھی ہوئی ہیں، اور نفقہ میں توسیع کا مطالبہ ہو رہا ہے، دونوں حضرات اپنی صاحبزادیوں کو تنبیہ پر آمادہ ہو گئے لیکن انہوں نے عرض کیا کہ ہم آئندہ نبی کریم ﷺ کو زائد مصارف کے لئے تکلیف نہ دیں گے دیگر ازواج مطہرات اپنے مطالبہ پر قائم رہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سکون کی خاطر میں یہ چیز اس قدر خلل انداز ہوئی کہ آپ نے عہد فرمایا کہ ایک مہینہ تک ازواج مطہرات سے نہ ملیں گے۔

جب ایلاء کی مدت ختم ہوئی تو آپ بالاخانہ سے اترے سب سے پہلے حضرت عائشہ کے پاس تشریف لائے وہ ایک ایک دن گنتی تھیں بولیں:

"یارسول اللہ! آپ نے ایک مہینہ کے لئے عہد فرمایا تھا ابھی تو انتیس ہی دن ہوئے"

آپ نے فرمایا:

"مہینہ کبھی انتیس دن کا بھی ہوتا ہے"

اس کے بعد آیت تخییر نازل ہوئی اس آیت کی رو سے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا تھا کہ ازواج مطہرات کو مطلع فرمادیں کہ:

"دو چیزیں تمہارے سامنے ہیں دنیا اور آخرت اگر تم چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں رخصتی جوڑے دیکر عزت واحترام کے ساتھ رخصت کردوں اور اگر تم خدا اور رسول اور ابدی راحت کی طلب گار ہو تو خدا نے نیکوکاروں کے لئے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے"

چونکہ حضرت عائشہ ان تمام معاملات میں پیش پیش تھیں آپ نے ان کو ارشاد ربانی سے مطلع فرمایا، انہوں نے جواب دیا:

"میں سب کچھ چھوڑ کر خدا اور رسول کو اختیار کرتی ہوں"

دیگر ازواج مطہرات نے بھی یہی جواب دیا:

"ربیع الاول ۱۱ھ میں نبی کریم ﷺ اس دنیا سے رخصت ہوئے، ۱۳ دن علیل رہے جس میں سے آٹھ دن حضرت عائشہ کے حجرے میں آپ نے قیام فرمایا، خلق عظیم کی بناء پر تمام ازواج مطہرات سے اجازت طلب نہیں کی بلکہ پوچھا کہ کل میں کس کے گھر میں رہوں گا؟ دوسرا دن حضرت عائشہ کے ہاں قیام فرمانے کا تھا ازواج مطہرات نے مرضی اقدس کو سمجھ کر عرض کیا کہ آپ جہاں چاہیں قیام فرمائیں ضعف اس قدر زیادہ ہوگیا تھا کہ چلا نہیں جاتا تھا، حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ دونوں بازو تھام کر بمشکل حضرت عائشہ کے حجرے میں لاتے، وفات سے پانچ روز پہلے آپ کو یاد آیا کہ حضرت عائشہ کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں، دریافت فرمایا:

"عائشہ! وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ کیا محمد خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا جاؤ ان کو خدا کی راہ میں خیرات کردو"

حضرات! حضرت عائشہؓ کے ابواب مناقب کا سب سے زریں باب یہ ہے:

جن کے حجرے کو نبی کریم ﷺ کا مدفن بننا نصیب ہوا، اور نعش مبارک اسی حجرہ کے ایک گوشہ میں سپرد خاک کی گئی، چونکہ ازواج مطہرات کے لئے اللہ تعالیٰ نے دوسری شادی ممنوع قرار دی تھی اس لئے سرکار دو جہاں ﷺ کے بعد حضرت عائشہؓ نے چالیس سال بیوگی کی زندگی بسر کی، اس زمانہ میں حضرت عائشہ کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد قرآن وحدیث کی تعلیم تھا۔

سرکار دو عالم کے دو برس بعد ۱۳ھ میں حضرت ابوبکر صدیق بھی اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے اور حضرت عائشہؓ کے لئے یہ سایہ شفقت بھی باقی نہ رہا۔

حضرت ابوبکر صدیق کے بعد حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ ہوئے انہوں نے حضرت عائشہ کی جس قدر دلجوئی کی وہ خود بیان فرماتی ہیں۔

"ابن خطاب نے نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد مجھ پر بڑے بڑے احسانات کئے"

حضرت عمرؓ نے تمام ازواج مطہرات کو دس دس ہزار سالانہ وظیفہ مقرر فرما دیا تھا، لیکن حضرت عائشہ کا وظیفہ بارہ ہزار تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ نبی کریم ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔

حضرت عثمانؓ کے واقعہ شہادت میں حضرت عائشہ مکہ میں مقیم تھیں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے مدینہ سے جا کر ان کو واقعات سے آگاہ کیا تو حضرت عائشہؓ دعوت اصلاح کے لئے بصرہ تشریف لے گئیں اور وہاں حضرت علی کے ساتھ جنگ پیش آئی جو "جنگ جمل" کے نام سے مشہور ہے یہ جنگ اگرچہ بالکل اتفاقی طور پر پیش آ گئی تھی تاہم حضرت عائشہؓ کو اس کا ہمیشہ افسوس رہا، بخاری کی روایت ہے کہ وفات کے وقت انہوں نے ایک وصیت کی تھی کہ مجھے وفات کے بعد روضہ نبویؐ میں دفن نہ کرنا بلکہ بقیع میں اور ازواج کے ساتھ دفن کرنا کیونکہ میں نے آپ کے بعد ایک جرم کیا ہے، ابن سعد کی روایت ہے کہ جب وہ یہ آیت پڑھتی تھیں وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ "اے پیغمبر کی بیویو! اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ بیٹھو" تو اس قدر روتی تھیں کہ آنچل تر ہو جاتا تھا، حضرت علیؓ کے بعد حضرت عائشہؓ اٹھارہ برس اور زندہ رہیں اور یہ تمام زمانہ سکون اور خاموشی میں گزارا۔

فضل وکمال

علمی حیثیت سے حضرت عائشہؓ کو نہ صرف عورتوں پر بلکہ ازواج مطہرات پر فوقیت حاصل تھی، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ ما اشکل علینا اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم حدیث قط سالنا عائشۃ الا وجدنا عندنا منہ علما "ہم کو کبھی کوئی ایسی مشکل بات پیش نہیں جس کو ہم نے عائشہ سے پوچھا ہو اور ان کے پاس اس کے متعلق معلومات نہ ملی ہوں"

امام زہریؒ جو سرخیل تابعین تھے فرماتے ہیں:

کانت عائشۃ اعلم الناس یسئلھا الاکابر من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

"عائشہ تمام لوگوں میں سب سے بڑی عالم تھیں اکابر صحابہ ان سے مسئلہ پوچھتے تھے"

حضرت عروہ بن زبیرؓ کا قول ہے:

مارایت احدا اعلم بالقرآن ولا بفریضۃ ولا بحلال ولا بفقہ ولا بشعر ولا بطب ولا بحدیث العرب ولا نسب من عائشۃ

"قرآن، فرائض، حلال وحرام، فقہ وشاعری، طب، عرب کی تاریخ اور نسب کا عالم عائشہؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا"

امام زہریؒ کی ایک اور شہادت ہے۔

لو جمع علم الناس کلھم ثم علم ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکانت عائشۃ وسعھم علما

"اگر تمام مردوں کا اور امہات المومنین کا علم ایک جگہ جمع کیا جائے تو حضرت عائشہ کا علم وسیع تر ہوگا"

حضرت عائشہ کا شمار مجتہدین صحابہ میں ہے اور اس حیثیت سے وہ اس قدر بلند ہیں کہ بے تکلف ان کا نام حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ساتھ لیا جا سکتا ہے، وہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں فتویٰ دیا کرتی تھیں اور اکابر صحابہؓ پر انہوں نے جو دقیق اعتراضات کئے ہیں ان کو علامہ سیوطیؒ نے مستقل ایک رسالہ میں جمع کر دیا ہے، اس رسالہ کا نام علامہ سیوطیؒ نے "عین الاصابة فی ما استدرکته عائشة علی الصحابة" رکھا ہے۔

حضرت عائشہؓ مکثرین صحابہ میں داخل ہیں ان سے ۲۲۱۰ حدیثیں مروی ہیں جن میں ۱۷۴ پر امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے اتفاق کیا ہے۔

علم کلام کے متعدد مسائل حضرت عائشہ کی زبان سے ادا ہوئے ہیں چنانچہ رؤیت باری، عصمت انبیاء، معراج، ترتیب خلافت، اور سماع موتی وغیرہ سے متعلق انہوں نے جو خیالات ظاہر کئے ہیں ان میں بڑا وزن معلوم ہوتا ہے۔

علم "اسرار الدین" سے متعلق بھی ان سے بہت سے مسائل مروی ہیں چنانچہ ترتیب نزول قرآن، مدینہ میں کامیابی اسلام کے اسباب، غسل جمعہ، نماز قصر کی علت، صوم عاشورہ کا سبب، حج کی حقیقت اور ہجرت کے معنی کی انہوں نے خاص تشریحات کی ہیں، تاریخ عرب میں حضرت عائشہ کا جواب نہیں، عرب جاہلیت کے حالات ان کے رسوم و رواج ان کے انساب اور ان کے طرز معاشرت کے متعلق انہوں نے بعض ایسی باتیں بیان فرمائی ہیں جو دوسری جگہ نہیں مل سکتیں۔

اسلامی تاریخ سے متعلق بھی بعض اہم واقعات ان سے منقول ہیں مثلاً آغاز وحی کی کیفیت، ہجرت کے واقعات، واقعہ افک، نزول قرآن، اس کی ترتیب، نماز کی صورتیں آنحضرت ﷺ کے مرض الوفات کے حالات، غزوہ بدر، غزوہ خندق، قریظہ کے واقعات، غزوہ ذات الرقاع میں نماز خوف کی کیفیت فتح مکہ میں عورتوں کی بیعت حجۃ الوداع کے ضروری حالات، نبی کریم ﷺ کے اخلاق، وعادات، خلافت صدیقی، حضرت فاطمہ، اور ازواج مطہرات کا دعوی میراث، حضرت علیؓ کا ملال خاطر اور پھر بیعت کے مفصل حالات انہیں کے ذریعہ معلوم ہوئے ہیں۔

ادبی حیثیت سے حضرت عائشہؓ شیریں کلام اور فصیح اللسان تھیں، ترمذی میں موسیٰ بن طلحہؓ کا یہ قول نقل کیا ہے:

ماراٰیت افصح من عائشۃ

''میں نے عائشہؓ سے فصیح اللسان کسی کو نہیں دیکھا''

مثلاً آغاز وحی سے متعلق حضرت عائشہ کے یہ الفاظ کتنے فصیح و بلیغ ہیں:

فما رأی رؤیا إلا جاءت مثل فلق الصبح

''آپ جو خواب دیکھتے تھے سپیدیٔ سحر کی طرح نمودار ہو جاتا تھا''

آپ پر جب وحی کی کیفیت طاری ہوتی تھی جبین مبارک پر پسینہ آجاتا تھا اس کو اس طرح ادا کرتی ہیں:

مثلَ الجمرات ''پیشانی پر موتی ڈھلکتے تھے''

واقعہ افک میں راتوں کو انہیں نیند نہیں آتی تھی، اس کو اس طرح بیان فرماتی ہیں:

مَا اکتحلُ بنومِ ''میں نے سرمہ خواب نہیں لگایا''

صحیح بخاری میں ان کے ذریعہ ام زرع کا جو قصہ مذکور ہے وہ ادب کی جان ہے اہل ادب نے اس کی مفصل شرحیں اور حاشیے لکھے ہیں۔

خطابت کے لحاظ سے بھی حضرت عمر حضرت علیؓ کے سوا تمام صحابہ میں ممتاز جنگ جمل میں انہوں نے جو تقریریں کی ہیں وہ قدرت کلامی اور سحر بیانی کی زندہ مثال ہیں ایک تقریر میں فرماتی ہیں:

''لوگو! خاموش، خاموش!! تم پر میرا مادری حق ہے مجھے نصیحت کی عزت حاصل ہے سوا اس شخص کے جو خدا کا فرمانبردار نہیں ہے، مجھ کو کوئی الزام نہیں دے سکتا، آنحضرت ﷺ نے میرے سینہ پر سر رکھے ہوئے وفات پائی ہے، میں آپ کی محبوب ترین بیوی ہوں، خدا نے مجھ کو دوسروں سے ہر طرح محفوظ رکھا اور میری ذات سے مومن و منافق میں تمیز ہوئی اور میرے ہی سبب تم پر خدا نے تیمم کا حکم نازل فرمایا:

پھر میرا باپ دنیا میں تیسرا مسلمان ہے اور غار حراء میں دو کا دوسرا تھا اور پہلا شخص تھا جس کو صدیق کے لقب سے مخاطب کیا گیا آنحضرت ﷺ نے ان سے خوش ہو کر اور ان کو خلافت دے کر وفات پائی ،اس کے بعد جب مذہب اسلام کی رسی ہلنے لگی تو میرا ہی باپ تھا جس نے اس کو دونوں سروں سے تھام لیا، جس نے نفاق کی باگ روک دی، جس نے ارتداد کا سر چشمہ خشک کر دیا، جس نے یہودیوں کی آتش افروزی سرد کر دی، تم لوگ اس وقت آنکھیں بند کئے ہوئے غدر و فتنہ کے منتظر تھے، اور شور و غوغا پر گوش بر آواز تھے، اس نے شگاف کو برابر کیا، بیکار کو درست کیا، گرتوں کو سنبھالا، دلوں کی مدفون بیماریوں کو دور کیا، جو پانی سے سیراب ہو چکے تھے ان کو تھان تک پہنچا دیا، جو پیاسے تھے ان کو گھاٹ پر لے آیا، اور جو ایک بار پانی پی چکے تھے انہیں دوبارہ پلایا، جب وہ نفاق کا سر کچل چکا اور اہل شرک کے لئے آتش جنگ مشتعل کر چکا اور تمہارے سامان کی گٹھڑی کو ڈوری سے باندھ چکا تو خدا نے اسے اٹھا لیا۔

ہاں میں سوال کا نشان بن گئی ہوں کہ فوج لیکر کیوں نکلی؟ میرا مقصد اس سے گناہ کی تلاش اور فتنہ کی جستجو نہیں ہے، جس کو میں پامال کرنا چاہتی ہوں جو کچھ کہہ رہی ہوں سچائی اور انصاف کے ساتھ تنبیہ اور اتمام حجت کے لئے"

حضرت عائشہؓ گو شعر نہیں کہتی تھیں تاہم شاعرانہ مذاق اس قدر عمدہ پایا تھا کہ حضرت حسان بن ثابتؓ جو عرب کے مسلم الثبوت شاعر تھے حضرت عائشہؓ کی خدمت میں اپنے اشعار سنانے کے لئے حاضر ہوا کرتے تھے حضرت عائشہؓ نہ صرف علوم کی ماہر تھیں بلکہ دوسروں کو بھی ماہر بنا دیتی تھیں چنانچہ ان کے دامن تربیت سے جو لوگ پرورش پا کر نکلے ان میں حضرت عروہ بن زبیرؓ حضرت قاسم بن محمدؒ حضرت ابو سلمہ بن عبدالرحمن، مسروق، صفیہ بنت شیبہؓ، عائشہ بنت طلحہؓ جیسے جلیل القدر اصحاب شامل ہیں۔

اخلاق و عادات

اخلاقی حیثیت سے بھی حضرت عائشہؓ بلند مرتبہ رکھتی تھیں وہ نہایت قانع تھیں، غیبت سے احتراز کرتی تھیں، احسان کم قبول کرتیں اگرچہ خود ستائی ناپسند تھی، تاہم

پھر میرا باپ دنیا میں تیسرا مسلمان ہے اور غار حرا میں دو کا دوسرا تھا اور پہلا شخص تھا جس کو صدیق کے لقب سے مخاطب کیا گیا آنحضرت ﷺ نے ان سے خوش ہو کر اور ان کو خلافت دے کر وفات پائی، اس کے بعد جب مذہب اسلام کی رسی ہلنے لگی تو میرا ہی باپ تھا جس نے اس کو دونوں سروں سے تھام لیا، جس نے نفاق کی باگ روک دی، جس نے ارتداد کا سرچشمہ خشک کر دیا، جس نے یہودیوں کی آتش افروزی سرد کر دی، تم لوگ اس وقت آنکھیں بند کئے ہوئے غدر و فتنہ کے منتظر تھے، اور شور و غوغا پر گوش بر آواز تھے، اس نے شگاف کو برابر کیا، بیکار کو درست کیا، گرتوں کو سنبھالا، دلوں کی مدفون بیماریوں کو دور کیا، جو پانی سے سیراب ہو چکے تھے ان کو تھان تک پہنچا دیا، جو پیاسے تھے ان کو گھاٹ پر لے آیا، اور جو ایک بار پانی پی چکے تھے انہیں دوبارہ پلایا، جب وہ نفاق کا سر کچل چکا اور اہل شرک کے لئے آتش جنگ مشتعل کر چکا اور تمہارے سامان کی گٹھڑی کو ڈوری سے باندھ چکا تو خدا نے اسے اٹھا لیا۔

ہاں میں سوال کا نشان بن گئی ہوں کر توج لیکر کیوں نکلی؟ میرا مقصد اس سے گناہ کی تلاش اور فتنہ کی جستجو نہیں ہے جس کو میں پامال کرنا چاہتی ہوں جو کچھ کہہ رہی ہوں سچائی اور انصاف کے ساتھ تنبیہ اور اتمام حجت کے لئے۔"

حضرت عائشہ گو شعر نہیں کہتی تھیں تاہم شاعرانہ مذاق اس قدر عمدہ پایا تھا کہ حضرت حسان بن ثابتؓ جو عرب کے مسلم الثبوت شاعر تھے حضرت عائشہ کی خدمت میں اپنے اشعار سنانے کے لئے حاضر ہوا کرتے تھے حضرت عائشہ نہ صرف علوم کی ماہر تھیں بلکہ دوسروں کو بھی ماہر بنا دیتی تھیں چنانچہ ان کے دامن تربیت سے جو لوگ پرورش پا کر نکلے ان میں حضرت عروہ بن زبیر حضرت قاسم بن محمد حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، مسروق، صفیہ بنت شیبہؓ، عائشہ بنت طلحہؓ جیسے جلیل القدر اصحاب شامل ہیں۔

اخلاق و عادات

اخلاقی حیثیت سے بھی حضرت عائشہ بلند مرتبہ رکھتی تھیں وہ نہایت قانع تھیں، غیبت سے احتراز کرتی تھیں، احسان کم قبول کرتیں اگرچہ خودستائی ناپسند تھی، تاہم

نہایت خوددار تھیں شجاعت اور دلیری بھی ان کا خاص جوہر تھا۔

حضرت عائشہؓ کا سب سے نمایاں وصف جود وسخا تھا، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ان سے زیادہ سخی کسی کو نہیں دیکھا، ایک مرتبہ امیر معاویہؓ نے ان کی خدمت میں لاکھ درہم بھیجے تو شام ہوتے ہوتے سب خیرات کر دئے اور اپنے لئے کچھ نہ رکھا، اتفاق سے اس دن روزہ رکھا، لونڈی نے عرض کیا کہ افطار کے لئے کچھ نہیں ہے، فرمایا "پہلے سے کیوں نہ یاد دلایا"

حضرت عائشہؓ نہایت پرہیزگار اور عبادت گزار تھیں چاشت کی نماز برابر پڑھتیں، فرماتی تھیں: کہ اگر میرا باپ بھی قبر سے اٹھ آئے اور مجھ کو منع کرے تب بھی میں باز نہ آؤں گی۔

آنحضرت ﷺ کے ساتھ راتوں کو اٹھ کر تہجد کی نماز ادا کرتی تھیں اور اس کی اس قدر پابند تھیں کہ آپ کے بعد جب کبھی یہ نماز قضا ہو جاتی تو نماز فجر سے پہلے اٹھ کر پڑھ لیتی تھیں تراویح کا خاص اہتمام فرماتی تھیں، ذکوان ان کا غلام امامت کرتا اور حضرت عائشہ اقتدا کرتیں۔

اکثر روزے رکھا کرتی تھیں، حج کی بھی شدت سے پابند تھیں، غلاموں پر شفقت کرتیں اور ان کو خرید کر آزاد کر دیتی تھیں، حضرت عائشہؓ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد ۶۷ تک پہنچتی ہے۔

ذہانت اور حاضر جوابی

حضرت عائشہ بچپن ہی سے بے حد ذہین اور حاضر جواب واقع ہوئی تھیں ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت عائشہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ گھر میں گڑیوں سے کھیل رہی تھیں سرکار دو عالم ﷺ حضرت ابوبکر صدیق کے گھر میں داخل ہوئے پوچھا عائشہ یہ کیا ہے؟

عرض کیا: کہ یہ "گھوڑا ہے"

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"عائشہ! گھوڑوں کے پر نہیں ہوتے"

حضرت عائشہ نے برجستہ جواب دیا:

"کیوں یا رسول اللہ! حضرت سلیمان کے گھوڑے کے تو پر تھے"

نبی کریم ﷺ نے یہ سنکر تبسم فرمایا اور حضرت عائشہ کی حاضر جوابی کی ستائش فرمائی، حضرت عائشہ کی ذہانت کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ایک بار حضرت عائشہؓ اور حضرت فاطمہؓ گھر میں بیٹھی تھیں کہ ان کی آپس میں بحث شروع ہو گئی، حضرت فاطمہؓ نے فرمایا کہ میں مقام و مرتبہ میں آپ سے بلند ہوں کیونکہ میں اللہ کے نبی کی بیٹی ہوں جبکہ آپ صحابی کی بیٹی ہیں حضرت عائشہ نے سنا تو فرمایا کہ بیٹی فاطمہ اس میں شک نہیں کہ آپ امام الانبیاء کی لخت جگر اور نور نظر ہیں، جبکہ میں اس باپ کی بیٹی ہوں جو آپ کے والد گرامی کے خادم اور غلام ہیں میں نے آپ کے والد گرامی سے یہ مسئلہ سنا ہے کہ قیامت کے دن پاک بیویاں پاک شوہروں کے ہمراہ جنت میں داخل ہوں گی لیکن تمہارے اور میرے جنت میں داخل ہونے کا فرق واضح ہوگا تم جنت میں جاؤ گی تو تمہارے ہاتھ میں علیؓ کا ہاتھ ہوگا میں جنت میں جاؤں گی میرے ہاتھ میں نبی کا ہاتھ ہوگا۔

مولانا رومیؒ نے مثنوی میں اس مفہوم کو اس طرح ادا کیا ہے:

تو با علی	من شوہم	با محمد
فرق کن	دریں و آں	گر عاقلی

وفات

۵۸ھ حضرت امیر معاویہؓ کے عہد خلافت میں حضرت عائشہؓ بیمار ہوئیں چند روز کی علالت کے بعد ۱۷ رمضان المبارک کو نماز وتر کے بعد وفات پائی نماز جنازہ حضرت ابو ہریرہؓ نے پڑھائی جنازہ میں اس قدر ہجوم تھا جیسے پورا عرب امڈ آیا ہو۔

خدا تعالیٰ ہماری ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کو حضرت عائشہؓ جیسی شرم و حیا، عفت و عصمت، پرہیزگاری و تقوٰی عادات و اخلاق اور سیرت عطا فرمائے اور ام المومنین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے، آمین۔

ذوالقعدۃ

جہاد کیا ہے؟

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء والمرسلین وعلیٰ وآلہ وصحبہ اجمعین

امابعد!

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ

حضرات! اسلام کے سلسلہ میں عبادات میں عام طور پر "جہاد" کا نام فقہاء کی تحریروں میں نہیں ملتا مگر قرآن کریم اور احادیث نبویؐ میں اس کی فرضیت واہمیت دوسرے فقہی احکام اور عبادات سے بدرجہا زیادہ ہے "جہاد" کے معنی عموماً قتال اور لڑائی کے سمجھے جاتے ہیں مگر مفہوم کی یہ تنگی اور تحدید قطعاً منشاء شریعت کے خلاف ہے "جہاد" کا لفظ "جہد" سے ماخوذ ہے، اس کے معنی محنت اور کوشش کے آتے ہیں اسی کے قریب قریب اس کے اصطلاحی معنی بھی ہیں یعنی حق کی بلندی اور اس کی اشاعت وحفاظت کے لئے ہر قسم کی جدوجہد، قربانی اور ایثار اور ان تمام جسمانی ومالی اور دماغی قوتوں کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو ملی ہیں اس راہ میں صرف کرنا، یہاں تک کہ اس کے لئے اپنی، اپنے عزیز واقارب کی، اہل وعیال کی، خاندان وقوم کی جان تک کو قربان کردینا اور حق کے مخالفوں اور دشمنوں کی کوششوں کو ناکام بنانا ان کی تدبیروں کو رائیگاں کرنا، ان کے حملوں کو روکنا اور اس کے لئے میدان جنگ میں اگر ان سے لڑنا پڑے تو اس کے لئے بھی پوری طرح تیار رہنا، یہی "جہاد" ہے، اور یہ اسلام کا ایک رکن اور بہت بڑی عبادت ہے۔

جہاد کی قسمیں

جب جہاد کے معنی محنت، سعی بلیغ اور جدوجہد کے ہیں تو یہ نیک کام اس کے تحت آئے گا، اہل تصوف کے یہاں جہاد کی سب سے اعلیٰ قسم خود اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرنا ہے، اور اسی کا نام ان کے یہاں "جہادِ اکبر" ہے، خطیب بغدادی اپنی تاریخ میں حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ان صحابہ سے جو جہاد سے واپس آئے تھے فرمایا:

”تمہارا آنا مبارک تم چھوٹے جہاد (غزوہ) سے بڑے ”جہاد“ کی طرف لوٹ کر آئے ہو“

بڑا جہاد بندے کا اپنے نفس کی خواہشوں سے لڑنا ہے حدیث میں اس مضمون کی اور روایات بھی ہیں، چنانچہ ابن نجار نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

”بہترین جہاد یہ ہے کہ تم خدا کیلئے اپنے نفس اور اپنی خواہش سے جہاد کرو“

یہ تینوں روایتیں اگرچہ فن کے لحاظ سے چنداں مستند نہیں مگر حقیقت میں ان روایات سے بعض صحیح احادیث کی تائید اور قرآن پاک کی اس آیت کی تفسیر ہوتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ

(عنکبوت)

”اور جنہوں نے ہمارے بارے میں جہاد کیا (یعنی محنت اور تکلیف اٹھائی) ہم ان کو اپنا راستہ آپ دکھائیں گے اور بے شک خدا نیکوکاروں کے ساتھ ہے“

اس پوری سورۃ میں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو حق کیلئے ہر مصیبت و تکلیف میں ثابت قدم اور بے خوف رہنے کی تعلیم دی ہے، اور اگلے پیغمبروں کے کارناموں کا ذکر کیا ہے کہ وہ ان مشکلات میں کیسے ثابت قدم رہے اور بالآخر خدا نے ان کو کامیاب اور ان کے دشمنوں کو ہلاک کیا سورہ کے آغاز میں ہے:

وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِينَ

"اور جو کوئی جہاد کرتا ہے (محنت اٹھاتا ہے) وہ اپنے ہی نفس کے لئے جہاد کرتا ہے اللہ تعالیٰ تو جہاں والوں سے بے نیاز ہے"

اور سورۃ کے آخر میں فرمایا کہ "ہمارے کام میں یا خود ہماری ذات کے حصول میں یا ہماری خوشنودی کی طلب میں جو جہاد کرے گا، اور محنت اٹھائے گا ہم اس کے لئے اپنے تک پہنچنے کا راستہ صاف کر دیں گے اور اس کو اپنی راہ آپ دکھائیں گے یہی مجاہدہ کامیابی کا زینہ اور روحانی ترقیات کا وسیلہ ہے سورۃ حج میں ارشاد ہوا:

وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرٰهِيمَ

"اور محنت کرو اللہ (کی راہ) میں پوری محنت، اس نے تم کو چنا ہے اور تمہارے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں کی تمہارے باپ ابراہیم کا دین"

یہ اللہ کی ذات کے حصول میں محنت اور جہاد کرنا "جہاد اکبر" ہے جس پر ملت ابراہیمی کی بناء ہے یعنی حق کی راہ میں عیش و آرام، اہل و عیال اور جان و مال ہر چیز کو قربان کر دینا، ترمذی، طبرانی، حاکم اور صحیح ابن حبان میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک بار صحابہؓ سے فرمایا:

الْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ یعنی مجاہد وہ ہے کہ جو اپنے نفس سے جہاد کرے صحیح مسلم میں ہے کہ ایک بار آپ نے صحابہؓ سے پوچھا:

"تم پہلوان کس کو کہتے ہو؟"

عرض کیا:

"جس کو لوگ پچھاڑ نہ سکیں"

فرمایا:

"نہیں پہلوان وہ ہے جو غصہ میں اپنے نفس کو قابو میں رکھے"

یعنی جو اس پہلوان کو پچھاڑ سکے اور اس حریف کو زیر کر سکے جس کا اکھاڑہ خود

ان کے جہد میں ہے۔

جہاد بالعلم

جہاد کی ایک اور قسم جہاد بالعلم ہے۔ دنیا کا تمام شر و فساد جہالت کا نتیجہ ہے اس کا دور کرنا ہر حق طلب کے لئے ضروری ہے ایک انسان کے پاس اگر عقل و معرفت اور علم و دانش کی روشنی ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ اس سے دوسرے تاریک دلوں کو فائدہ پہنچائے تلوار کی دلیل سے قلب میں وہ طمانیت نہیں پیدا ہو سکتی جو دلیل و برہان کی قوت سے لوگوں کے سینوں میں پیدا ہوتی ہے اسی لئے ارشاد ہوا"

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ

"تم لوگوں کو اپنے پروردگار کی طرف دانائی کی باتوں کے ذریعہ بلاؤ اور عمدہ نصیحت کے ذریعہ اور اچھے اسلوب کے ساتھ مناظرہ کے ذریعہ"

حضرات! دین کی یہ تبلیغ و دعوت بھی جو سراسر علمی اسلوب میں ہے جہاد کی ایک قسم ہے اور اسی طریقہ دعوت کا نام "جہاد بالقرآن" ہے قرآن خود اپنی دلیل، اپنے اعتبار سے خود موعظت اور اپنے لئے مناظرہ ہے قرآن کے ایک سچے عالم کو قرآن کی صداقت کے لئے قرآن سے باہر کی کسی چیز کی ضرورت نہیں، نبی کریم ﷺ کو "روحانی جہاد" یعنی روحانی بیماریوں کی فوجوں کو شکست دینے کے لئے اسی قرآن کی تلوار ہاتھ میں دی گئی اور اسی سے کفار و مشرکین اور منافقین کے شکوک و شبہات کے پردوں کو چاک کرنے کا حکم دیا گیا۔

فَلَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ وَجَاھِدْھُمْ بِہٖ جِھَادًا کَبِیْرًا

"تو کافروں کا کہنا نہ مان اور قرآن کے ذریعہ ان سے جہاد اکبر بڑا جہاد کر"

قرآن کے ذریعہ جہاد اکبر کے معنی یہ ہیں کہ تو قرآن کے ذریعہ ان کا مقابلہ کر اس قرآنی جہاد و مقابلہ کو اللہ تعالیٰ نے "جہاد کبیر" بڑا جہاد اور بڑے زور کا مقابلہ فرمایا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ "جہاد بالعلم" کی اہمیت قرآن کی نظر میں کتنی

ہے، علماء نے بھی اس اہمیت کو محسوس کیا ہے اور اس کو جہاد کا مہتم بالشان درجہ قرار دیا ہے، امام ابوبکر رازی حنفی نے احکام القرآن میں اس پر لطیف بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ "جہاد بالعلم" کا درجہ جہاد بالنفس اور جہاد بالمال دونوں سے بڑھ کر ہے، ہر مسلمان کا فرض ہے کہ حق کی حمایت اور دین کی نصرت کے لئے عقل وفہم، علم وبصیرت حاصل کرے اور وہ تمام علوم جو اس راہ میں کام آ سکتے ہوں ان کو اس لئے حاصل کرے کہ ان سے حق کی اشاعت اور دین کی مدافعت کا فریضہ انجام دے گا، یہ علم کا جہاد ہے جو اہل علم پر فرض ہے۔

جہاد بالمال

انسان کو اللہ تعالیٰ نے جو مال و دولت عطا کی ہے اس کا منشا بھی یہ ہے کہ اس کو خدا کی مرضی کے راستوں میں خرچ کیا جائے یہاں تک کہ اس کو اپنے اور اپنے اہل وعیال کے آرام وآسائش کے لئے بھی خرچ کیا جائے تو اسی کی مرضی کے حصول کے لئے دنیا کا ہر کام سرمایہ کا محتاج ہے، چنانچہ حق کی حمایت اور نصرت کے کام بھی اکثر مالی سرمایہ پر موقوف ہیں، اس لئے جہاد بالمال کی اہمیت بھی کچھ کم نہیں ہے، دوسری اجتماعی تحریکوں کی طرح اسلام کو بھی اپنی ہر قسم کی تحریکات اور جدوجہد میں سرمایہ کی ضرورت ہے، اس سرمایہ کا فراہم کرنا اور اس کے لئے مسلمانوں کا اپنے اوپر ہر طرح کا ایثار گوارا کرنا، جہاد بالمال ہے، نبی کریم ﷺ کی صحبت وبرکت سے صحابہ کرام نے اپنی عام غربت اور ناداری کے باوجود اسلام کی سخت سے سخت گھڑیوں میں جس طرح مالی جہاد کیا ہے، وہ اسلام کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے، اسی لئے اسلام میں صحابہ کا بہت بڑا رتبہ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

"بیشک وہ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مال اور جان سے جہاد کیا"

قرآن پاک میں "مالی جہاد" کی تنبیہ وتاکید کے لئے بکثرت آیتیں موجود

ہیں۔ اور ہر جگہ جان کے جہاد پر مال کے جہاد کو مقدم کیا ہے جیسے:

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (توبہ ۲)

ہلکے بھاری ہو کر جس طرح ہو نکلو اور اپنے مال اور اپنی جان سے خدا کے راستہ میں جہاد کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم کو معلوم ہو۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ

(حجرات ۳)

"مومن وہی ہیں جو اللہ اور رسول پر ایمان لائیں پھر اس میں شک نہیں کیا، اور اپنے مال اور اپنی جان سے خدا کے راستہ میں جہاد کیا یہی سچے اترنے والے ہیں"

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً (نساء ۱۳)

"اپنے مال اور نفس سے جہاد کرنے والوں کو اللہ نے بیٹھ رہنے والوں پر ایک درجہ کی فضیلت دی ہے"

حضرات! "جہاد بالمال" کو جہاد بالنفس پر مقدم کرنے کے کئی اسباب اور مصلحتیں ہیں۔

میدان جنگ میں ذاتی اور جسمانی شرکت ہر شخص کے لئے ممکن نہیں لیکن شرکت ہر ایک کے لئے آسان ہے، جسمانی جہاد کی ضرورت ہر وقت پیش نہیں لیکن مالی جہاد کی ضرورت ہر وقت اور ہر آن ہوتی ہے انسانی کمزوری یہ ہے کہ مال محبت اس کی جان کی محبت پر غالب آ جاتی ہے:

گر جاں طلبی مضائقہ نیست ☆ گر زر طلبی سخن دریں است

اس لئے جان پر مال کو مقدم رکھ کر ہر قدم پر انسان کو اس کی اس کمزوری پر مطلع کیا گیا ہے۔

ہر فرض اور نیک کام کا انجام دینا بھی جہاد ہے

جہاد کی ان اقسام کے علاوہ ہر نیک کام اور ہر فرض کی ادائیگی میں جان، مال اور دماغ کی قوت صرف کرنے کا نام بھی جہاد ہے، عورتیں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کرتی ہیں کہ یا رسول اللہ! ہم کو غزوات کے جہاد میں شرکت کی اجازت دی جائے، ارشاد ہوا کہ:

''تمہارا جہاد نیک حج ہے'' کہ اس مقدس سفر کے لئے سفر کی تمام صعوبتوں کو برداشت کرنا، صنف نازک کا ایک قسم کا جہاد ہی ہے''

اسی طرح یمن سے چلکر ایک صحابی خدمت اقدس میں اس لئے حاضر ہوتے ہیں کہ کسی غزوہ میں شرکت کر سکیں، آپ نے ان سے دریافت فرمایا:

''کیا تمہارے ماں باپ ہیں؟''

عرض کیا:

''جی ہاں!''

آپ نے فرمایا:

''**ففیھما فجاھد** ''تم تو انہیں کی خدمت میں جہاد کرو۔

یعنی ماں باپ کی خدمت کرنا بھی جہاد ہے، اسی طرح خطرناک سے خطرناک مواقع پر حق کے اظہار میں بے باک ہونا بھی جہاد ہے چنانچہ ایک موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ مِنْ اعظمِ الجِہادِ کَلِمَۃُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ

''ایک بڑا جہاد کسی ظالم قوت کے سامنے انصاف کی بات کہہ دینا ہے''

اس سے معلوم ہوا کہ جہاد بالنفس یعنی اپنی جان و جسم سے جہاد کرنا ان تمام اقسام میں داخل ہے جن میں انسان کی کوئی جسمانی محنت صرف ہوئی ہو، اور اس کی آخری حد خطرات سے بے پرواہ ہو کر اپنی زندگی کو بھی خدا کی راہ میں نثار کر دینا ہے نیز

کے دشمنوں سے اگر مقابلہ آ پڑے اور وہ حق کی مخالفت پر تل جائیں تو ان کو راستے سے ہٹانا، اور اس صورت میں ان کی جان لینا یا اپنی جان دینا جہاد بالنفس کا انتہائی درجہ کمال ہے۔ ایسے جان نثار اور جانباز بندے کا انعام یہ ہے کہ اس نے اپنی جس عزیز ترین متاع کو خدا کی راہ میں قربان کیا وہ ہمیشہ کے لئے اس کو بخش دی جائے یعنی فانی حیات کے بدلے اس کو ابدی حیات عطا کر دی جائے، اسی لئے ارشاد ہوا:

ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون

''جو خدا کی راہ میں مارے گئے ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم کو اس کا احساس نہیں'' سورہ آل عمران میں ان جانبازوں کی قدر افزائی ان الفاظ میں کی گئی۔

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما آتاھم اللہ من فضلہ ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم الا خوف علیھم ولا ھم یحزنون

جو خدا کی راہ میں مارے گئے ان کو مردہ گمان مت کرو، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے ہاں ان کو روزی دی جا رہی ہے، خدا نے ان کو اپنی جو مہربانی عطا کی ہے اس پر وہ خوش ہیں اور جو اب تک ان سے اس زندگی میں ہونے کی وجہ سے نہیں ملے ہیں ان کو خوشخبری دیتے ہیں کہ ان کو نہ کوئی خوف ہے نہ وہ غم میں ہیں۔

ان جان نثاروں کا نام شریعت کی اصطلاح میں ''شہید'' ہے یہ عشق و محبت کی راہ کے شہید زندہ جاوید ہیں:

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

یہ اپنے اسی خونی کفنوں پیراہن میں قیامت کے دن اٹھیں گے اور حق کی جو عملی شہادت اس زندگی میں انہوں نے ادا کی تھی، اس کا صلہ اس زندگی میں پائیں گے اسی کے ساتھ وہ جانباز بھی جو گو اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں اترے تھے لیکن ان کے سر کا ہدیہ دربار الٰہی میں اس وقت قبول نہ کیا گیا کیونکہ ابھی ان کی دنیاوی

زندگی کا کارنامہ ختم نہیں ہوا تھا وہ بھی اپنے حسن نیت کی بدولت رضائے الٰہی کی سند پائیں گے اسی لئے ان کو عام مسلمان ادب و تعظیم کے لئے "غازی" کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا (نساء:۷۴)

"اور جو خدا کی راہ میں لڑتا ہے پھر وہ مارا جاتا ہے یا وہ غالب آجاتا ہے تو ہم اس کو بڑا بدلہ عنایت کریں گے"

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ (آل عمران:۱۹۵)

"تو جنہوں نے میری خاطر گھر بار چھوڑا اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ان کو میری راہ میں تکلیفیں دی گئیں، اور وہ لڑے اور مارے گئے ہم ان کے گناہوں کو چھپا دیں گے اور ان کو جنت میں داخل کریں گے جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی خدا کی طرف سے ان کو یہ بدلہ ملے گا اور خدا کے پاس اچھا بدلہ ہے"

دائمی جہاد

حق کی راہ میں دائمی جہاد وہ جہاد ہے جو ہر مسلمان کو ہر وقت پیش آسکتا ہے اس لئے سرکار دوعالم ﷺ کے ہر امتی پر فرض ہے کہ دین کی حمایت، علم دین کی اشاعت، حق کی نصرت، غریبوں کی مدد، زیردستوں کی امداد، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، اقامت عدل، رد ظلم، اور احکام الٰہی کی تعمیل میں ہمہ وقت اور ہمہ تن لگا رہے یہاں تک کہ اس کی زندگی کی ہر جنبش و سکون ایک جہاد بن جائے اور اس کی پوری زندگی جہاد کا ایک غیر منقطع سلسلہ نظر آئے۔

خداتعالیٰ ہمیں اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے، آمین۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ

ذوالحجۃ

قربانی اور حج

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد! فاعوذ باللہ من
الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وَاِذِ ابْتَلٰی اِبْرٰھِیْمَ رَبُّہٗ
بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ وقال فی مقام آخر۔
وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا۔

محترم حضرات! یہ ذوالحجہ کا مہینہ ہے اس مبارک مہینہ سے اسلام کی دو اہم یادگاریں متعلق ہیں۔ (۱) قربانی (۲) حج۔

آج میں آپ حضرات کے سامنے ان دونوں ہی موضوعات سے متعلق کچھ عرض کروں گا۔ سب سے پہلے "قربانی" کی حقیقت پر کچھ روشنی ڈالوں گا، اس کے بعد حج کے سلسلہ میں گفتگو ہوگی، دعا فرمایئے کہ حق تعالیٰ ہم سب کو حق اور سچ کہنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے، آمین۔

برادران ملت! قرآن کریم اور توراۃ دونوں ہی سے یہ بات ثابت ہے کہ ملت ابراہیمی کی بنیاد قربانی تھی اور یہی قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیغمبرانہ اور عائلی زندگی کی اصل خصوصیت تھی اور اسی امتحان اور آزمائش میں پورا اترنے کی وجہ سے ان کی اولاد ہر قسم کی نعمتوں اور برکتوں سے مالا مال کی گئی، توراۃ کی کتاب پیدائش میں ہے:

"خداوند فرماتا ہے اس لئے کہ تو نے ایسا کام کیا اپنا بیٹا، ہاں اپنا اکلوتا بیٹا دریغ نہ رکھا میں نے اپنی قسم کھائی کہ میں برکت دیتے ہی تجھے برکت

دوں گا اور بڑھاتے ہی تیری نسل کو آسمان کے ستاروں اور دریا کے کنارے کی ریت کے مانند بڑھاؤں گا اور تیری نسل اپنے دشمنوں کے دروازوں پر قابض ہو جائے گی اور تیری نسل سے زمین کی ساری قوم برکت پائے گی، کیونکہ تو نے میری بات مانی"

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

وَإِذِ ابْتَلَى إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۔ (بقرۃ۔ ۱۵)

"اور جب ابراہیم کے پروردگار نے چند باتوں میں اس کی آزمائش کی پھر اس نے ان کو پورا کر دیا تو خدا نے اس سے کہا کہ میں تجھ کو لوگوں کے لئے پیشوا بنانے والا ہوں"

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۔ (بقرۃ۔ ۱۶)

"اور ہم نے ابراہیم کو دنیا میں چنا اور وہ آخرت میں یقیناً نیکوں میں سے ہے جب اس کے خدا نے اس سے کہا اپنے کو سپرد کر دے اس نے کہا کہ میں نے اپنے کو دنیا کے پروردگار کے سپرد کر دیا"

يَا إِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ (صٰفّٰت۔ ۳)

"اے ابراہیم تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا ہم یونہی اچھے کام کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں"

یہی وہ برکت ہے جس کو مسلمان دن میں پانچ مرتبہ خدا کے سامنے یاد کرتے ہیں:

اللّٰهُمَّ بَارِكْ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ

"خدایا تو محمد اور محمد کی (جسمانی و روحانی) نسل پر برکت نازل کر جیسے تو نے

ابراہیم اور ابراہیم کی (جسمانی وروحانی) نسل پر برکت نازل کی"

لیکن یہ قربانی کیا تھی؟ یہ محض خون اور گوشت کی قربانی نہ تھی بلکہ روح اور دل کی قربانی تھی، یہ ماسوا اللہ اور غیر کی محبت کی قربانی خدا کی راہ میں تھی، یہ اپنے عزیز ترین متاع کو خدا کے سامنے پیش کر دینے کی نذر تھی، یہ خدا کی اطاعت، عبودیت اور کامل بندگی کا بے مثال مظہر تھا، یہ تسلیم و رضا اور صبر و شکر کا وہ امتحان تھا جس کو پورا کے بغیر دنیا کی "پیشوائی" اور آخرت کی نیکی نہیں مل سکتی، یہ باپ کا اپنے اکلوتے بیٹے کے خون سے زمین کو رنگین کر دینا نہ تھا، بلکہ خدا کے سامنے اپنے تمام جذبات، خواہشات تمناؤں اور آرزوؤں کی قربانی تھی، یہ حکم خداوندی کے سامنے اپنے ہر قسم کے ارادے اور مرضی کو معدوم کر دینا تھا، اور جانور کی ظاہری قربانی اس اندرونی نقش کا ظاہری عکس اور اس خورشید حقیقت کا ظل مجاز تھا۔

حضرات! اسلام کے لفظی معنی اپنے کو کسی دوسرے کے سپرد کر دینا اور اطاعت وبندگی کے لئے گردن جھکا دینا ہے اور یہی وہ حقیقت ہے جو حضرت ابراہیم واسماعیل کے اس ایثار اور قربانی سے ظاہر ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ان باپ بیٹوں کی اس اطاعت اور فرمانبرداری کے جذبہ کو صحیفہ محمدی میں اسلام کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

فَلَمَّا اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ

"جب ابراہیم واسماعیل نے فرمانبرداری کی اور ابراہیم نے اپنے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا"

ملت ابراہیمی کی حقیقت یہی اسلام ہے کہ انہوں نے خود کو خدا کے ہاتھ میں سونپ دیا اور اس کے آستانہ پر اپنا سر جھکا دیا، یہی اسلام کی حقیقت ہے اور یہی ملت ابراہیمی ہے اور اسی بار امانت کو اٹھانے کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام بار بار اپنے پروردگار سے دعا مانگتے تھے کہ ان کی نسل میں اس بوجھ کے اٹھانے والے ہر زمانہ میں موجود رہیں اور بالآخر ان کی نسل میں وہ امین پیدا ہو جو اس امانت کو لیکر تمام دنیا میں وقف عام کر دے، چنانچہ دعا فرمائی تو یہ فرمائی:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ، رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ.

"ہمارے پروردگار ہم کو مسلمان (یا اپنا فرمانبردار) بنا اور ہماری نسل میں سے ایک مسلمان (یا فرمانبردار) جماعت بنا، اور ہم کو مناسک (حج) کے دستور بتا اور ہم کو معاف کر بے شک تو معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے، ہمارے پروردگار! اس میں اپنا ایک رسول بھیج جو تیری آیتیں ان کو پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھائے، اور ان کو پاک اور صاف کردے بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے"

یہ رسول محمد عربی ﷺ تھے یہ کتاب قرآن پاک تھی یہ حکمت سیرِ محمدی کا خزانہ علمی و عملی تھا اور یہ مناسک اسلام کے ارکان حج تھے۔

حج ابراہیمی یادگار ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی قربانی کا جو خواب دیکھا اور اس پر لبیک کہا تھا اور جس کی تعمیل کے لئے وہ اس دور دراز مقام میں آئے تھے جو بالکل چٹیل اور بے آب و گیاہ تھی یعنی اس وقت جب چھری لیکر بیٹے کو خدا کی راہ میں قربان کرنا چاہا تھا اور بیٹے نے بھی خدا کا حکم سن کر گردن جھکا دی تھی، آواز آئی۔

أَن يَا إِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ

"یہ کہ اے ابراہیم تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا ہم ایسے ہی نیکوکاروں کو بدلہ دیتے ہیں اور ایک بڑی قربانی دیکر ہم نے اس کے بیٹے کو چھڑا لیا"

اس وقت ان کو معلوم ہوا کہ اس خواب کی تعبیر اپنے بیٹے کو خدا کے گھر کی خدمت اور توحید کی دعوت کے لئے مخصوص کردینا اور اس کے ذریعہ اس گھر کو دائرہ

ارضی میں خدا پرستی کا مرکز بناتا ہے۔

جس مقام پر بیت اللہ کی تعمیر ہوئی وہ ویران اور پیداوار سے خالی تھا اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی کہ خداوندا یہاں میرے مقدس گھر کے پڑوس میں اپنی کچھ اولاد بساتا ہوں اور ان کو روزی پہنچانا اور لوگوں کے دلوں کو مائل کرنا کہ وہ ادھر آتے رہیں اور ان کو اس لئے یہاں بساتا ہوں تاکہ وہ یہاں کی بت پرست قوموں کی بت پرستی سے بیزار رہیں اور تیری خالص عبادت بجالائیں اور ان میں جو نیکوکار ہوں وہ میرے ہیں اور جو بدکار اور گمراہ ہوں ان کا تو مالک ہے تو رحم والا اور معاف کرنے والا ہے اور خداوندا میری اولاد میں سے ایک رسول بھیجنا جو ان کو نیک تعلیم دے۔

حج کی حقیقت

حج کی حقیقت خدا کی رحمتوں اور برکتوں کے مورد خاص میں حاضری، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیروی میں اللہ تعالیٰ کے سامنے تسلیم و رضا اور فرمانبرداری اور اطاعت کے ساتھ اپنی گردن جھکا دینا اور اس معاہدہ عبودیت کو اسی طرح بجالانا جس طرح خدا کی یہ دو برگزیدہ ہستیاں ہزاروں برس پہلے بجالائی تھیں، یہی ملت ابراہیمی اور یہی حقیقی اسلام ہے، یہی روح یہی باطنی احساس اور یہی وہ جذبہ ہے جس کو حجاج ان بزرگوں کے مقدس اعمال اور قدیم دستوروں کے مطابق حج میں اپنے عمل اور کیفیت سے مجسم کر کے ظاہر کرتے ہیں، تمدن کے اسی ابتدائی دور کی طرح وہ ان دنوں بغیر سلے ہوئے کپڑے پہنتے ہیں وہ خود اپنے کو حضرت اسماعیل کی طرح خدا کے حضور میں نذر کرنے کیلئے جاتے ہیں اس لئے اتنے دنوں تک سر کے بال نہ منڈواتے نہ ترشواتے ہیں، دنیا کے عیش و نشاط اور تکلف کی زندگی سے پرہیز کرتے ہیں نہ خوشبو لگاتے ہیں، نہ رنگین کپڑے پہنتے ہیں، نہ سر جھکاتے ہیں اور اسی والہانہ انداز سے جس طرح حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل تین دن کے سفر

کے گرد وغبار میں اٹے ہوئے اور دوڑتے ہوئے خدا کے گھر میں آئے تھے آتے ہیں اور جس طرح حضرت ابراہیم نے خدا کی پکار پر لبیک کہا تھا وہی تین ہزار برس پہلے کا ترانہ ان کی زبانوں پر ہوتا ہے۔

لبیک اللھم لبیک لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد لک والملک لاشریک لک۔

"یہ خدمت کی آمادگی کا ترانہ اور یہ توحید کی صدا ان تمام مقامات اور حدود میں بلند کرتے ہیں جہاں جہاں ان دونوں بزرگوں کے قدم پڑتے تھے اور چونکہ وہ خود اپنے آپ کو روحانی طور پر خدا کی قربان گاہ پر نذر کرتے چلتے ہیں اس لئے اپنے آپ کو سات مرتبہ اس بیت اللہ کے چاروں طرف پھرا کر تصدیق کرتے ہیں پھر صفا سے مروہ تک حضرت ابراہیم دوڑ کر گئے تھے پھر زروہ پہنچ کر انہوں نے بیٹے کی قربانی کا عزم کیا تھا وہاں ہم بھی دوڑتے ہیں اور دعا کرتے ہیں اور گناہوں کی بخشش چاہتے ہیں اور عرفات کے سب سے بڑی میدان میں جمع ہو کر اپنی تمام گذشتہ عمر کے گناہوں اور کوتاہیوں کی معافی چاہتے ہیں خدا کے حضور میں گڑگڑاتے ہیں، روتے ہیں، قصور معاف کراتے ہیں، اور آئندہ زندگی کے لئے خدا کے ہاتھ پر اس کی عبودیت اور اطاعت کا نیا عہد و پیمان باندھتے ہیں، یہی درحقیقت حج کا اصلی رکن ہے، یہ تاریخی میدان اس تاریخی عہد کی یاد ان بزرگوں کے نقش قدم اور ان کی دعا کے مقامات اور تجلیات ربانی کے مناظر دور دراز کے سفر اور ہر قسم کی محنت کے بعد اکثر کو عمر میں ایک دفعہ آنے کا موقع اور لاکھوں بندگان خدا کا ایک ہی وحدت کے رنگ میں ایک ہی لباس، ایک ہی حالت اور جذبہ میں سرشار ایک بے آب و گیاہ اور خشک میدان اور پہاڑوں کے دامن میں اکٹھے ہو کر دعاء مغفرت کی پکار گذشتہ عمر کی کوتاہیوں اور بربادیوں کا ماتم اپنی بدعملیوں کا اقرار اور اس احساس کے ساتھ کہ وہ مقام ہے جہاں ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے لیکر محمد رسول اللہ ﷺ تک بہت سے انبیاء اسی حالت اور اسی صورت میں اور یہیں پر کھڑے ہو کر، ایسا روحانی منظر، ایسا کیف، ایسا اثر، ایسا

گداز، ایسی تاثیر پیدا کرتا ہے جس کی لذت تمام عمر فراموش نہیں ہوتی، پھر اپنی نذر کے دن پوری کر کے اپنی طرف سے جانور حضرت ابراہیم کی پیروی اور اپنی روحانی قربانی کی تمثیل میں جسمانی طور سے ذبح کرتے ہیں اور اس وقت اسی اطاعت، اسی فدویت، اسی سرفروشی اور اسی قربانی کا اپنی زبان سے اقرار کرتے ہیں جو بھی اس میدان میں اسی موقع پر، اسی حالت میں اور اسی شکل میں دنیا کے سب سے پہلے داعی توحید نے اپنے عمل اور اپنی زبان سے ظاہر کی تھی اور وہی جذبات اس وقت حاجیوں کے دلوں میں موجزن ہوتے ہیں اور ان کی زبانوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہی الفاظ کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ

(انعام: ۹)

”میں نے ہر طرف سے منہ موڑ کر اس کی طرف منہ کیا جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا موحد بن کر اور میں ان میں نہیں جو خدا کا شریک بناتے ہیں“

إِنَّ صَلٰوتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ.

”میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لئے ہے جو تمام دنیا کا پروردگار ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور یہی حکم مجھ کو ہوا ہے اور میں سب سے پہلے فرمانبرداری کا اقرار کرتا ہوں“

حج کی مصلحتیں

نبی کریم ﷺ جس شریعت کا تکمیلی صحیفہ لیکر آئے اس کی سب سے بڑی خصوصیات یہی ہیں کہ وہ دنیا و دین کا جامع ہے اس کا ایک ایک حرف مصلحتوں اور حکمتوں سے معمور ہے، وہ اپنے احکام اور عبادات کے فائدہ و منفعت اور غرض و غایت کو بتانے کے لئے کسی باہر کی امداد کا محتاج نہیں بلکہ اس نے ان اسرار کے چہرے سے

خود اپنے ہاتھ سے پردہ ہٹایا ہے نماز، روزہ، اور زکوۃ کی طرح حج کے مقاصد اور فوائد بھی خود اسلام کے صحیفہ ربانی میں موجود ہیں۔

قرآن کریم نے حضرت ابراہیم کی زبان سے خانہ کعبہ کی تعمیر اور اسمٰعیل کی نذر اور مکہ میں ان کے قیام کے سلسلہ میں جو دعا مانگی وہ ان مقاصد کی جامع ہے آیئے ان آیتوں پر نظر ڈالیں۔

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ . (بقرۃ۔ ۱۵)

"اور جب ہم نے اس گھر (کعبہ) کو لوگوں کا مرجع مرکز اور امن بنایا اور ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کی جگہ بناؤ اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کے یہ ذمہ کیا کہ تم دونوں میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک وصاف کرو اور جب ابراہیم نے کہا میرے پروردگار اس کو امن والا شہر بنا اور اس کے رہنے والوں کو پھلوں میں سے روزی دے"

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ، رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ . (بقرۃ۔ ۲۵)

"اے ہمارے پروردگار! ہم کو اپنا تابعدار اور برگزیدہ بنا اور ہم کو ہماری اولاد میں سے کچھ کو اپنا فرمانبردار گروہ بنا اور ہم کو حج کے دستور بتا، اور ہم کو معاف کر تو بیشک معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے اور ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیج"

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَن لَّا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا

وَعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۔ (حج: ۴)

"اور جب ہم نے ابراہیم کو بیت گھر کی جگہ بتا دی کہ میرا شریک نہ بنانا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں، کھڑے ہونے والوں، رکوع اور سجود کرنے والوں کے لئے پاک وصاف کر، لوگوں میں حج کا اعلان کر دے وہ تیرے پاس پیادہ، اور سفر کی ماری دبلی پتلی ہو جانے والی اونٹنیوں پر سوار ہو کر، دور دراز راستہ سے آئیں گے تاکہ فائدے کی جگہوں میں آ کر جمع ہوں اور چند مقرر دنوں میں اس بات پر خدا کا نام یاد کریں کہ ہم نے ان کو جانور روزی کئے"

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۔ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۔ (ابراہیم: ۲)

"جب ابراہیم نے کہا میرے پروردگار اس آبادی کو امن والی بنا اور مجھے اور میری اولاد کو اس سے بچا کہ ہم بتوں کی پوجا کریں میرے پروردگار ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا تو جس نے میرا کہنا مانا وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو تو بخشنے والا رحم کرنے والا ہے، ہمارے پروردگار میں نے اپنی کچھ اولاد اس بن کھیتی کی ترائی میں تیرے گھر کے پاس آباد کی ہے ہمارے پروردگار تاکہ وہ نماز قائم کریں تو لوگوں کے دلوں کو کچھ ایسا بنا کہ وہ ان کی طرف جھکیں اور ان کو پھلوں کی روزی دے تاکہ شکر گزار ہوں"

محترم حضرات!! ان آیات مبارکہ میں ان امور کی تصریح ہے:

(۱) خانہ کعبہ اہل توحید کا ایک مرکز و مرجع اور ملت ابراہیمی کا مسکن ہے۔

(۲) حضرت ابراہیم نے یہاں اپنی اولاد کو اس غرض سے آباد کیا کہ اس

وَعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۔ (حج: ۴)

''اور جب ہم نے ابراہیم کو یہ گھر کی جگہ بتادی کہ میرا شریک نہ بنانا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں، کھڑے ہونے والوں، رکوع اور سجود کرنے والوں کے لئے پاک وصاف کر، لوگوں میں حج کا اعلان کردے وہ تیرے پاس پیادہ اور سفر کی ماری دبلی پتلی ہوجانے والی اونٹنیوں پر سوار ہو کر، دور دراز راستہ سے آئیں گے تاکہ فائدے کی جگہوں میں آکر جمع ہوں اور چند مقررہ دنوں میں اس بات پر خدا کا نام یاد کریں کہ ہم نے ان کو جانور روزی کئے''

وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهُ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ، رَبَّنَا اِنِّيْ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۔ (ابراہیم: ۲)

''جب ابراہیم نے کہا میرے پروردگار اس آبادی کو امن والی بنا اور مجھے اور میری اولاد کو اس سے بچا کہ ہم بتوں کی پوجا کریں میرے پروردگار ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا تو جس نے میرا کہنا مانا وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو تو بخشنے والا رحم کرنے والا ہے، ہمارے پروردگار میں نے اپنی کچھ اولاد اس بن کھیتی کی ترائی میں تیرے گھر کے پاس آباد کی ہے ہمارے پروردگار تاکہ وہ نماز قائم کریں تو لوگوں کے دلوں کو کچھ ایسا بنا کہ وہ ان کی طرف جھکیں اور ان کو پھلوں کی روزی دے تاکہ شکر گزار ہوں''

محترم حضرات !ان آیات مبارکہ میں ان امور کی تصریح ہے:

(۱) خانہ کعبہ اہل توحید کا ایک مرکز و مرجع اور ملت ابراہیمی کا مسکن ہے۔

(۲) حضرت ابراہیم نے یہاں اپنی اولاد کو اس غرض سے آباد کیا کہ اس

مقدس گھر کی خدمت گذاری اور خدائے واحد کی عبادت کرتی رہے اور بت پرست قوموں کے میل جول اور اختلاط سے وہ محفوظ رہے تاکہ پہلے کی طرح یہ گھر پھر بے نشان نہ ہو جائے اور آخر میں رسول مبعوث ہو جس کی تعلیمیں ایسی ہوں۔

(۳) یہ لوگ ایک ویرانہ میں جس میں کبھی کھیتی بھی نہیں ہوتی اس میں صرف اس غرض سے آباد ہو رہے ہیں کہ تیرے گھر کو آباد رکھیں تو تو اس بے ثمر اور شور زمین میں ان کی روزی کا سامان کرنا، اور لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف جھکانا تاکہ وہ ان سے محبت کریں

(۴) حکم ہوا کہ لوگوں میں اس گھر کے حج کا اعلان عام کر، اور قریب اور دور کے راستے کے لوگ لبیک کہیں گے تا آنکہ یہاں آکر دین و دنیا کا فائدہ حاصل کریں اور چند مقرر وایام میں خدا کا نام لیں۔

(۵) جو لوگ یہاں عبادت اور مناسک حج کی نیت سے آئیں خداوندا تو ان کے گناہ معاف کر تو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔

(۶) خداوندا میری اولاد وہی ہے جو میرے طریقے اور میرے مذہب پر چلے اس لئے تمام وہ لوگ جو ملت ابراہیمی کے پابند ہوں آل ابراہیم ہیں اور وہی حضرت ابراہیم کی دعاؤں اور برکتوں کے مستحق ہیں۔

حضرات اس کے علاوہ حج کے چھوٹے چھوٹے اخلاقی مصالح بھی ہیں مثلاً

(۱) حج کے ذریعہ انسان اپنی ذمہ داریوں کا احساس کر سکتا ہے، حج اس وقت فرض ہوتا ہے جب اہل و عیال کے نفقہ سے کچھ رقم بچتی ہے اس لئے آدمی حج کے لئے اس وقت نکلتا ہے جب اہل و عیال کی ضرورتوں کا سامان کر لیتا ہے اس لئے کہ اس کو اہل و عیال کے مصارف کی ذمہ داریاں خود بخود محسوس ہو جاتی ہیں، معاملات میں قرض انسان کے سر کا بوجھ ہے اور حج وہی شخص ادا کر سکتا ہے جو اس سے سبکدوش ہو جاتے ہیں اس لئے معاملات پر اس کا نہایت عمدہ اثر مرتب ہوتا ہے۔

عام طرز معاشرت اور دنیوی کاموں میں آدمی اپنے سینکڑوں دشمن پیدا

رہتا ہے لیکن جب خدا کی بارگاہ میں جانے کا ارادہ کرتا ہے تو سب سے بری الذمہ ہو کے جانا چاہتا ہے اس لئے رخصت کے وقت ہر قسم کے بغض و حسد سے اپنے دل کو صاف کر لیتا ہے لوگوں سے اپنے قصور معاف کرواتا ہے، وصیتوں کو لکھتا ہے، قرض خواہوں کا قرض ادا کرتا ہے اس لحاظ سے حج معاشرتی، اخلاقی اور روحانی اصلاح کا بھی ایک ذریعہ ہے۔

(۲) اسلام آج ہر ملک میں ہے اس لئے ہر ملک کی زبان اس کی زبان ہے لیکن اس کی ایک عمومی زبان بھی ہے جو اس ملک کی زبان ہے جہاں دنیا کے ہر ملک سے مسلمان آتے جاتے رہتے ہیں اور اس زبان کے بولنے اور سیکھنے پر اس سفر میں کچھ نہ کچھ مجبور ہوتے ہیں اس کا اثر یہ ہے کہ ہر مسلمان قوم جو کوئی بھی بولی بولتی ہو وہ اس ملک کی زبان سے نہ سہی کم از کم الفاظ سے آشنا ہوتی ہے یہ اسلام کی عالمگیر اخوت کی مضبوط کڑی ہے۔

(۳) مساوات اسلام کا سنگ بنیاد ہے، اگرچہ نماز بھی محدود طریقے پر اس مساوات کو قائم کرتی ہے لیکن پوری وسعت کے ساتھ اس کی اصلی نمائش حج کے زمانہ میں ہوتی ہے، جب امیر و غریب، جاہل و عالم، بادشاہ و رعایا ایک لباس میں، ایک صورت میں، ایک میدان میں خدا کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں نہ کسی کے لئے کوئی جگہ مخصوص ہوتی ہے نہ آگے پیچھے کی قید۔

(۴) بہت سی اخلاقی خوبیوں کا سرچشمہ کسب حلال ہوتا ہے چونکہ ہر شخص حج کے مصارف میں مال حلال صرف کرنے کی کوشش کرتا ہے اس لئے اس کو خود حلال و حرام کی تفریق کرنی پڑتی ہے اور اس کا جو اثر انسان کی روحانی حالت پر پڑ سکتا ہے وہ ظاہر ہے۔

روحانیت

برادران اسلام! مقامات مقدسہ کی زیارت اور ارکان حج کے ادا کرنے

قلب وروح میں خاص قسم کے تاثرات اور کیفیات پیدا ہوتی ہیں جن کو روحانیت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے ان کیفیات کی ایک حیثیت تو وطنی، دوسری تاریخی اور تیسری خالص روحانی ہوتی ہے۔

وطنی ہونے کے یہ معنی ہیں کہ گو مسلمان دنیا کے ہر خطہ میں رہتے، ہر زبان بولتے اور ہر لباس پہنتے ہیں تاہم ان کے اندر یہ احساس باقی رہتا ہے کہ وہ جسمانی طور سے کہیں ہوں مگر روحانی طور سے ان کا مسکن عرب ہی کی سرزمین ہے، وہی ملت ابراہیمی کا مقام ہے اس کا مولد اور قرآن کا مہبط ہے اس لئے دور دراز مسافتوں سے ولولہ اور شوق کے بازوؤں سے اڑکر جب لوگ یہاں پہنچتے ہیں تو اس ریگستان اور پہاڑ کو دیکھ کر ان کی محبت کا سرچشمہ ابلنے لگتا ہے، اور ان کے دل میں اسلام کے وطن اور قرآن کی سرزمین کے مشاہدہ سے ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے، مسلمان جس ملک میں بھی ہے اس کو وہاں اسلام اپنے خالص وطن میں نظر نہیں آتا، ہر جگہ اس کو اپنی قومیں نظر آتی ہیں اپنے دائیں بائیں ہر طرف اس کو اسلام ہی کا مجسمہ پیکر نظر آتا ہے۔

تاریخیت

برادران ملت! اسلام کی ابتدائی تاریخ کا حرف حرف اسی عرب اور حرم پاک کے ذرہ ذرہ سے مرتب ہوا اسے آدم ﷺ لیکر ابراہیم تک اور ابراہیم سے لیکر محمد رسول اللہ ﷺ تک جو کچھ ہوا ہے اس کا تمام تر تعلق ارض حرم کے کوہ وصحرا اور در و دیوار سے ہے یہیں حضرت آدم نے سکونت کی اور عرش کے سایہ میں خدا کا گھر بنایا، یہیں حوا نے آکر ان سے ملاقات کی، یہیں نوح کی کشتی نے آکر دم لیا، حضرت ہودؑ اور حضرت صالح نے یہاں پناہ لی، محمد رسول اللہ ﷺ نے یہیں ولادت پائی، یہیں وہ پہاڑی (صفا) ہے جہاں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل اپنے گدھے چھوڑ کر اترے، یہیں وہ دوسری پہاڑی (مروہ) ہے جس پر باپ نے بیٹے کی قربانی کرنی چاہی، یہیں وہ چشمہ (زمزم) ہے جو حضرت ہاجرہؑ کو پیاس کے عالم میں نظر آیا، یہیں وہ خانہ کعبہ

ہے جس کی چہار دیواری کو ابراہیم و اسماعیل نے بلند کیا، یہیں وہ مقام ہے جہاں کھڑے ہو کر خدا کے آگے سر جھکائے اسی کے قریب منیٰ، مشعر حرام اور عرفات ہیں جو شعائر اللہ ہیں، یہیں وہ پتھر (حجر اسود) ہے جو ابراہیم و اسماعیل کے مقدس ہاتھوں سے مس ہوا، یہی وہ سرزمین ہے جہاں وہ گلیاں اور راستے ہیں جو جبرئیل امین کی گذرگاہ تھے، یہیں وہ غار حراء ہے جس سے قرآن کی پہلی کرن پھوٹی تھی، یہی وہ صحن حرم ہے جس میں محمد رسول اللہ ﷺ نے ترپن ۵۳ برس بسر کئے اور یہی وہ مقام ہے جہاں رحمتِ حق کے قدم پڑے تھے اور یہی وہ مکانات ہیں جن کی ایک ایک اینٹ اسلام کی تاریخ کا ایک ایک صفحہ ہے، انہیں مناظر اور مشاہد کی طرف قرآن کریم نے اشارہ کیا ہے:

فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ

"اس حرم میں کھلے کھلے (ربانی) نشانات ہیں، ابراہیم کے قیام کی جگہ"

ان مقامات اور مناظر میں زائر کا قدم پہنچتا ہے تو اس کے ادب کی آنکھیں نیچی ہو جاتی ہیں، اس کی عقیدت کا سر جھک جاتا ہے اس کے ایمان کا خون جوش مارنے لگتا ہے اس کے جذبات کا سمندر متلاطم ہو جاتا ہے، جگہ جگہ اس کی پیشانی زمین سے لگتی ہے، اور محبت کی روح اس کی رگ رگ اور ریشہ ریشہ میں تڑپنے لگتی ہے، ادھر قدم اٹھتا ہے دل وجد کرتا ہے، آنکھیں اشکبار ہوتی ہیں، اور زبان تسبیح و تہلیل میں مصروف ہو جاتی ہے، اور یہی وہ لذت اور تکلف ہے جو ایمان کو تازہ، عقیدت کو مضبوط اور شعائر اللہ کی محبت کو زندہ کرتا ہے۔

وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ

"اور جو خدا کی نشانیوں اور یادگاروں کی عظمت کرتا ہے تو وہ دلوں کے تقویٰ کے سبب سے ہے، دعا کیجئے کہ پروردگار عالم ہم سب کو سرور کونین ﷺ کے دیار مقدس کی زیارت اور حج بیت اللہ کی سعادت نصیب فرمائے، رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ۔

نعت

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ
سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند

نبیؐ اکرم شفیع اعظم دکھے دلوں کا پیام لے لو
تمام دنیا کے ہم ستائے کھڑے ہوئے ہیں سلام لے لو

شکستہ کشتی ہے تیز دھارا نظر سے روپوش ہے کنارا
نہیں کوئی ناخدا ہمارا خبر تو عالی مقام لے لو

عجب مشکل میں کارواں ہے نہ کوئی جادہ نہ پاسباں ہے
بشکل رہبر چھپے ہیں رہزن اٹھو ذرا انتقام لے لو

قدم قدم پہ ہے خوف رہزن زمین بھی دشمن فلک بھی دشمن
زمانہ ہم سے ہوا ہے بدظن تمہی محبت سے کام لے لو

کبھی تقاضا وفا کا ہم سے کبھی مذاق جفاء ہے ہم سے
تمام دنیا خفا ہے ہم سے خبر تو خیر الانام لے لو

یہ کیسی منزل پہ آگئے ہیں نہ کوئی اپنا نہ ہم کسی کے
تم اپنے دامن میں آج آقا تمام اپنا غلام لے لو

یہ دل میں ارماں ہے اپنے طیب مزار اقدس پہ جا کے ایک دن
سناؤں ان کو پیام دل کا کہوں میں ان سے سلام لے لو

☆☆☆☆☆

نور بصیرت

☆..علامہ عامر عثمانی

چاند سورج ستارے زمیں آسماں، حشر تک بھول سکتے نہیں یہ سماں
جب اندھیروں کے پرہول طوفان سے ایک تنہا دیا برسرِ جنگ تھا

پہلے پہلے تو ان سب کو آئی ہنسی، پھر تحیر ہوا دم بخود رہ گئے
دیکھتے دیکھتے شرق سے غرب تک نور ہی نور تھا رنگ ہی رنگ تھا

اس طرف ایک شیشہ تھا نازک بدن، اپنی ماتھے پہ گردِ یتیمی لئے
اس طرف ایک لشکر زرہ پوش تھا، ہر زرہ پوش کے ہاتھ میں سنگ تھا

پھر ہوائیں کہ زرہوں کے ٹکڑے اڑے سنگ شیشے سے ٹکرا کے شق ہو گئے
آب و گل کو تعجب تھا یہ کیا ہوا؟ برق حیران تھی آسماں دنگ تھا

پھول کھلتے گئے دیپ جلتے گئے سنگ و فولاد آہن پگھلتے گئے
ایک درویش کے سازِ توحید میں کیسی تاثیر تھی کیسا آہنگ تھا

دعوتِ حق

☆☆.................. ....مولانا شاہین جمالی شاہینؔ

کوئی جب تک نبی کا عاشق کامل نہیں ہوتا
کسی صورت اسے عرفان حق حاصل نہیں ہوتا

کوئی فرمان حضرت سے اگر غافل نہیں ہوتا
وہ پستی کی طرف ہرگز کبھی مائل نہیں ہوتا

جو طوفانوں سے ٹکراتا ہے اپنی کشتی دل کو
اسے بحر محبت میں غم ساحل نہیں ہوتا

تلاش منزل مقصود میں نام نبی لے کر
مراد دل کا پالینا کوئی مشکل نہیں ہوتا

تجھے ہے جستجو ساحل کی بحر عشق میں شاہینؔ
یہ وہ دریا ہے جس کا کوئی بھی ساحل نہیں ہوتا

Scanned by CamScanner